1/12/9

[illegible]

DR. Abhaam. M. Albetan
Cultural officer
Saudie Embassy
N. Delhi.

فکر و نظر

(تحقیق و تنقید)

ڈاکٹر م، م، مسعودی

شعبۂ فارسی، کشمیر یونیورسٹی، سرینگر

نام کتاب ——— فکر و نظر ——— تحقیق و تنقید

مصنف ——— ڈاکٹر محمد منوّر مسعودی

تعداد ——— پانچ سو پچاس

سال اشاعت ——— ۱۹۹۴ء

طبع ——— اوّل

قیمت ——— ۱۷۵/- روپے

FIKROO-NAZAR

(TAHQUEEQ-U-TANQEED)

BY

DR. M.M. MASOODI

Published by
BOOK MEDIA
Post Box 448
Dalgate, Srinagar-190001
Kashmir India

Price Rs. 175

Year 1994

(ANU)

اِنتساب

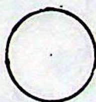
دستم بگرفت و پا بہ پا بُرد　　تا شیوۂ راہ رفتن آموخت
یک حرف و دو حرف بر زبانم　　الفاظ نہاد و گفتن آموخت

والدہ ماجدہ کے نام

جن کے صبر و سکون، ایثار اور دعاؤں
کی بدولت ذات باری نے مجھے
کامیابیوں اور کامرانیوں سے
ہمکنار کیا۔

محمد منوّر مسعودی

محض علم نہ تو زندگی کے مقصد اور اسکی روح میں کوئی
انقلاب لاتا ہے اور نہ مقصدِ حیات کے حصول اور اس منزل
کا راستہ طے کرنے میں معاون ثابت ہونے والے بہتر و
مکمل وسائل انسان کے اختیار میں دیتا ہے عمل علم کی روح و
رواں ہے اور تجربات و تمرین اسکو درخشندہ و تابندہ بناتے
ہیں ایک ایسی شمع و چراغ کی مانند جس سے دوسری شمعیں
اور چراغ روشن ہوتے ہوں اور کاروانِ علم و عمل رواں دواں۔
اور اسمیں جمود زنگ آور ثابت ہو کر شمعِ علم کو ساکت کر دیتا ہے۔



اب نوا پیرا ہے کیا؟ گلشن ہوا برہم ترا!
بے محل تیرا ترنم، نغمہ بے موسم ترا

اقبالؒ

مشمولات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چہرہ

"مشک آن است کہ خود ببوید نہ آنکہ عطار بگوید"

لہذا مجھے اس کتاب کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں کہنا لیکن سر راہ کشمیر میں فارسی زبان و فرہنگ کے نقش ہائے سنگ کا اگر صدائے بازگشت کے طور پر ایک اعادہ بھی کر لیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

برصغیر جہاں ایک طویل مدت تک فارسی زبان اپنے پُر مغز و پُر اثر فرہنگ و ثقافت کے ساتھ نہ صرف رائج رہی بلکہ وقتاً فوقتاً برصغیر کے گوشے گوشے میں اپنی طویل المدت حکومتیں بھی قائم کیں۔ لیکن حکومتوں اور حکمرانوں کے بالمقابل اور مماثل صوفیاء، اولیا اور علما کی اخلاقی و روحانی جہانبانی کا زیادہ اثر ہوا جنہوں نے عوامی روابط اور مساوی خدمات میں فارسی زبان کو ہی ابلاغ و تبلیغ اور نشر و اشاعت کا ذریعہ بنایا۔ ان حضرات کی بلا امتیاز اور مساوی خدمات عوام کے لئے ایک ایسی کشش تھی جو (ماسوای چند مشروطہ) کسی بھی بادشاہ کو نصیب نہ ہوئی۔ انہی کے فیوض و برکات اور عرفان و سلوک سے فارسی ایک عوامی زبان بن کر سامنے آئی۔ عوامی معیار پر آجانے کے ساتھ ہی ساتھ ذریعہ تعلیم بھی بنی اور پھر عرصے تک بلا شرکت غیرے کشمیر میں سرکاری اور درباری زبان کے طور پر رائج رہی۔

اس لحاظ سے برصغیر میں جن جن گوشہ و کنار میں فارسی کا زیادہ اثر و نفوذ رہا۔ ان میں کشمیر کا اپنا منفرد مقام ہے فارسی زبان نے کشمیر تک پہنچنے کے لیے جہاں ایک طرف بڑے دشوار گزار راستے اور مراحل طے کیے وہاں فارسی زبان و ادب اور فرہنگ و ثقافت کا اسقدر تیزی سے اثر و نفوذ ہوا گویا پیاسے کو پانی مل گیا ہو اور اس نے اپنی پیاس بجھانے میں ذرا بھی تحمل نہ کیا ہو اسکی شیرینی اور تابناکی کشمیریوں کے لئے آب حیات ثابت ہوئی۔ یہاں پر رچ بس جانے اور نشو و نما پالینے

کے بعد اس زبان میں ہر شعبہ میں ایسا تحقیقی اور تقلیدی ادب سامنے آیا۔ جسے بلاشبہ ایرانی ادب کے بالمقابل رکھا جاسکتا ہے۔ اس پر ایرانیوں نے رشک بھی کیا اور عش عش بھی۔ غنی کشمیری، مولانا محسن فانی شیخ غلام محمد رفیع، محمد واصل، مولانا حمید اللہ شاہ آبادی، مولانا یعقوب صرفیؒ، بابا داؤد خاکیؒ، بابا علی رینا، محمد اعظم دیدہ مری، پیرزادہ حسن شاہ کھویہامی اور دوسرے سینکڑوں کشمیری فارسی ادیبوں کے ادبی کارناموں سے کون واقف نہیں۔ ہمارے وقت میں اس روایت کی ایک دلکش اور حسین یادگار مرحوم مولانا مبارک شاہ فطرتؔ ہیں۔ فارسی زبان و ثقافت کے یہاں کی زندگیوں میں رچ بس جانے سے ہی جنت بے نظیر' ایران صغیر بھی کہلایا۔ حکومتیں اور بادشاہتیں مٹ گئیں، بعض کا نام و نشان تک باقی نہیں لیکن وسط ایشیائی اور ایرانی زبان و ادب اور ثقافت و صحافت کے آثار ابھی تک اس خطے میں زندہ و تابندہ ہیں۔ یہاں پر تخلیق شدہ، تاریخی ادبی، اخلاقی، ثقافتی، معاشی اور لسانی پونجی ابھی تک پردۂ اخفا میں ہے اور اس پر منظم صورت میں ایک طویل المدت کام کی ضرورت ہے جس کے لئے کثیر وسایل اور تلاش کی ضرورت ہے ہمارا بیشتر تاریخی اور ادبی سرمایہ اسی زبان کا مرہون منت ہے۔ ہماری اخلاقی، ذہنی اور علمی بیداری بھی اسی زبان و ادب سے وابستہ ہے اور اس سلسلے میں جسقدر کوششیں اور کاوشیں کی جائیں کم ہیں۔

زیر نظر کتاب ایک ایسی ہی ادنیٰ سی کوشش کا نتیجہ ہے جس کا آغاز میں نے اپنے بی' اے' آنرز۔ ان پرشین کے دوران جامعہ ملیہ اسلامیہ سے کیا تھا میری اس کوشش کے محرکوں میں استاد مہربان پروفیسر حکیم الدین قریشی، پروفیسر شعیب اعظمی اور پروفیسر کبیر احمد جائسی تھے بعد میں چل کر صفر ایران کے بعد کچھ اساتذہ جو اگرچہ جامعہ ملیہ سے وابستہ نہیں تھے اور بظاہر براہ راست میرے استاد نہیں رہے لیکن یہ میری خوش نصیبی تھی کہ مجھے ان برگزیدہ فارسی اساتذہ کی استادانہ شفقتیں بھی حاصل رہیں۔ ان میں پروفیسر عطا کریم برق صاحب' پروفیسر سید حسین صاحب پروفیسر ولی الحق صاحب' پروفیسر وحید اشرف صاحب' مرحوم پروفیسر قاضی، سجاد حسین میرٹھی صاحب

پروفیسر ضیاءالحسن فاروقی صاحب، پروفیسر رشید الوحیدی صاحب، پروفیسر آفاق صاحب پروفیسر ماجد صاحب، پروفیسر مشیر الحق صاحب، پروفیسر حامدی کشمیری صاحب، پروفیسر آل احمد سرور صاحب، پروفیسر امیر حسن عابدی صاحب، مرحوم پروفیسر نور الحسن انصاری صاحب، پروفیسر محمد اسلم صاحب، پروفیسر شریف حسین قاسمی صاحب اور جناب پروفیسر عبدالودود اظہر صاحب، کے علاوہ جناب سید حامد صاحب، دوست مہربان شجاع الدین صاحب، مولانا صوفی نذیر احمد صاحب اور مرحوم چودھری محمد شفیع صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں جنہوں نے ہر وقت میرا ہاتھ تھاما اور میری راہنمائی اور حوصلہ افزائی کی۔ ایرانی اساتذہ میں خانۂ فرہنگ ایران سے وابستہ استاد احمد کسروی، استاد عطار زادہ، سعیدی سیرجانی، خانم بتول سعیدی سیرجانی دوست مہربان محمود یزدی اور خانہ فرہنگ ایران کے سابق کونسلر جناب کاظم کامران، موجودہ کونسلر جناب کریمیان، استاد رضا مصطفوی اور جناب سید عباس الموسوی الغاموری جیسے علم دوست، علم پرور اور برگزیدہ ادیبوں کی کرم فرمائیاں میرے شامل حال رہی ہیں۔ انہی کی نظر انتخاب سے میں ایران جاسکا اور جدید فارسی زبان کی قدرے تمرین کر سکا۔

سفر ایران کے بعد تحصیل و تحریر کا کام زیادہ تیزی اور آسانیوں کے ساتھ ہونے لگا اور مضامین و مقالات کی تحریر و اشاعت کا باقاعدہ آغاز ہوا سفر ایران (یادش بخیر) سے متعلق مشاہدات و مناظرات کا روزنامہ "دعوت" میں ہفتہ وار مضامین کا ایک سلسلہ شایع ہوا۔ جو بعد میں چل کر جدید فارسی زبان پر" مشاہدہ اور شناخت" کے عنوان سے ایک مختصر سی کتاب تیار ہوگئی اور اب زیر اشاعت ہے، جامعہ ملیہ کے جریدہ "پیام تعلیم" میں "قرون وسطی میں ایرانی مساجد اور خانقاہیں" کے عنوان سے مضامین کے ایک سلسلے کے علاوہ اسی جریدہ میں جیمز موریر کے فارسی ترجمے "اسلام اور عصر جدید" میں "وسط ایشیا' لسانی' دینی اور فرہنگی مضمرات" کے عنوان سے مضامین کا ایک قدرے طویل سلسلہ شایع ہوا، اس کا آخری حصہ کشمیری یونیورسٹی میں آجانے کے بعد سنٹرل ایشین سٹیڈیز کے جریدہ سنٹرل ایشیا نمبر میں شایع ہوا۔ یہ اور کچھ دوسرے مضامین جو میں نے سفارت خانۂ ایران

سے وابستگی کے دوران لکھے اور چھپوائے تھے ان کی تعداد (ترجموں سمیت) بائیس[٢٢] کے قریب ہے اور چونکہ موضوع کے اعتبار سے ذرا الگ ہیں۔ اس لئے یہ مضامین میں نے اس کتاب میں شامل نہیں کیے ہیں اور ان کو دو صورتوں میں الگ الگ کر کے دو الگ کتابوں کی شکل میں چھپنے کے لئے تیار کیا ہے اور خیال ہے کہ ان اشاعت شدہ مضامین کے قدرے کثیر حصے کو مزید اضافے کے ساتھ ترتیب دیکر "کشمیر پر وسط ایشیائی معمرات" کے عنوان سے ایک بھرپور کتاب کی تدوین کی جائے جو وسط ایشیا کے برصغیر بالخصوص کشمیر پر گوناگوں اثرات کا جا بجا لسانی اور ثقافتی احاطہ کرتی ہو۔ ان مضامین میں ایک بیش قیمت مضمون اشاعت سے قبل ہی کشمیر یونیورسٹی کے شعبہ "سنٹر آف سنٹرل ایشین سٹیڈیز" کی نذر ہو گیا اور اس دُرِ یتیم کی ابھی تک تلاش ہے۔ انشاءاللہ عنقریب ہی یہ کتاب بھی چھپ کر سامنے آجائے گی۔

"فکر و نظر" کے عنوان سے زیر نظر کتاب بیشتر کشمیر کے فارسی ادب پر تحقیقی و تنقیدی مقالات کا ایک مجموعہ ہے اور سبھی مضامین مختلف اوقات میں بعض تحقیقی و ادبی جرائد میں شائع ہو چکے ہیں ادبی تحقیق و تنقید سے وابستہ طلبا کی آسانی کے لیے ان مضامین کو یکجا کر کے ایک کتابی شکل دی ہے تاکہ موضوع اور سبجکٹ کے اعتبار سے ایک منفرد کتاب رہے کشمیر کے فارسی ادب کی تحقیق و تدوین کا اصل کام پروفیسر شمس الدین احمد صاحب نے شعبۂ فارسی کی شعبۂ اردو سے علیحدگی کے ساتھ شروع کیا تھا اور استاد موصوف کے یونیورسٹی سے ریٹائر ہونے تک ایک سلسلہ وار تحقیق ہو چکی تھی خاصے تحقیقی مقالے کشمیر کے فارسی ادب پر شعبہ کے سالانہ جریدۂ "دانش" میں چھپ کر منظر عام پر آچکے تھے اور اسطرح کشمیر کے فارسی ادب کا سرمایہ روشناس ہو رہا تھا لیکن گردش ایام نے کچھ ایسا پلٹا کھایا' ہر چند کہ کشمیر یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی کو ابھی پروفیسر موصوف کی ضرورت تھی لیکن شعبہ کو اس نعمت بے جوڑ سے محروم کر دیا گیا۔ ان کے جانے سے شعبہ میں فارسی کی ترویج و ترقی اور تحقیق و تدوین کے ساتھ ساتھ اسکی نظامت و راہنمائی کو بھی ایک زبردست دھکا لگا ان کی کمی آج بھی شدت کے ساتھ محسوس ہو رہی ہے۔ شعبہ فارسی

کا تحقیقی و ادبی جریدہ " دانش " انہی کی کاوشوں کی ایک حسین یاد بھی ہے اور شعبہ سے وابستہ محققین کے تحقیقی کاموں کی اشاعت کا ذریعہ بھی۔

بنا کردند خوش رسمی بخاک و خون غلطیدند   خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را

اس مجموعے کے بیشتر مقالوں میں استاد موصوف کی رہنمائی، حوصلہ افزائی اور تشویق و تصحیح شامل رہی ہے اور میری پہلی کتابوں، "کشمیر کے فارسی ادب کی تاریخ" "ریچن شاہ سے رنجیت سنگھ تک" اور "ریشہ ہای فارسی در سراسر جہان" (تاریخ روزنامہ نویسی فارسی) کی طرح یہ کتاب بھی در پردہ تحقیق، اصول تحقیق اور تنقید پر ایک اور کوشش ہے ادب اور تاریخ کے شعبوں سے وابستہ محققین اور شائقین اس سے استفادہ کر سکتے ہیں اور امید کرتا ہوں کہ قارئین اس کوشش کو تحسین کی نظر سے دیکھیں گے میں اپنے تمام اساتذہ، رفقاء اور طلبا کا شکرگزار ہوں جو ہمہ وقت مجھے اس کام کی تشویق و تحریک دیتے رہے۔ انشاء اللہ آیندہ بھی ادبی اور تحقیقی کاموں میں وہ میرا حوصلہ بڑھاتے رہیں گے۔

سطور بالا میں یہ بات آچکی ہے کہ تحقیق و تدوین اور تنقید و تبصرہ جدا جدا فنون ہیں اور بعض اوقات جب یہ مطالعہ میں نمایاں طور پر واضح نہ ہو پائیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ تمام چیزیں الگ الگ ہونے کے باوجود کسی ایک جگہ مجتمع ہو کر رہ گئی ہیں۔ اس لیے 'مطالعہ' جدا جدا نقطۂ نگاہ سے کرنا لازمی بن جاتا ہے اور چونکہ ان تمام مسایل کے تقاضے، تفہیم و ترسیل بیک وقت ناممکن تو نہیں پر ہے کافی مشکل فن۔ جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں اس کتاب کا اصل مقصد تحقیق و تدوین اور تنقید و تبصرہ کے در پردہ اصول و ضوابط سے طلبا کو واقف کرانا ہے اور یہ تمام مسایل اس کتاب کے مختلف اجزا میں مختلف اوقات اور صورتوں میں متشکل ہوئے ہیں۔ اس تقاضے کی تکمیل کے لیے ہم نے اپنی کتاب " فارسی ادب کی تاریخ " سے تین اقتباس اخذ کیے ہیں۔ واصل، شائق اور توفیق یہ تینوں نام اور ان پر کی گئی تحقیق اس مقصد کو پورا کرتے ہیں۔ اس

لئے اس کتاب میں شامل کیے گئے ہیں۔ لیکن ان دونوں کتابوں میں ان کی حیثیت جُداگانہ ہے پہلی صورت میں یہ اقتباسات تاریخ ادب کا ایک حصہ ہیں اور زیرِ نظر کتاب میں ان کی حیثیت تحقیق و تدوین، تنقید و تبصرہ، ترسیل و ابلاغ و اظہار اور ان کے اصول و ضوابط کی افہام و تفہیم ہے اس لئے بھی مذکورہ تحقیقی مسائل و نقاط کی گرہ کشائی کے لئے ان اقتباسات کی افادیت و مناسبت نے متذکرہ مضامین کے جداگانہ تکرار اور شمولیت کو ناگزیر بنا دیا تھا۔ لہٰذا اس مقصد کی تکمیل سے مفر نہ ہو سکا اور اسی لیے یہ اعادہ اور اس کا مطالعہ قارئین کرام کے مخصوص زاویۂ نگاہ کا متقاضی ہے۔

یہاں پر اس بات کا ذکر بیجا نہ ہوگا کہ راقم نے اپنی چند تاریخی فارسی نظمیں اور اخیراً ایک اردو غزل بھی اسی کتاب میں خاطرات کے عنوان سے شامل کر لی ہے۔ گو کہ فارسی اور اردو نظموں اور غزلوں کا مجموعہ الگ سے بھی شایع ہو کر آ رہا ہے لیکن یہ نظمیں میرے اُس زمانے کی یاد ہیں۔ جب میں ایران میں تھا اور مختلف مقامات کی مسافرت کے دوران کہی تھیں ان نظموں میں فکر و نظر کیا ہے یہ تو میں نہیں کہہ سکتا۔ لیکن ان کی تاریخی وابستگی میرے زمانۂ تعلیم کی ایک نہایت حسین یادگار ہے اس لئے ان کو اس کتاب میں شامل کیے بغیر رہا نہیں جاتا۔ اس کے ساتھ ہی اردو کی ایک غزل بھی شامل "فکر و نظر" کر رہا ہوں یہ غزل بھی اسی فن میں ایام تحصیلات کی ایک تاریخی یادگار ہے امید ہے کہ یہ اضافہ قارئین پر گراں نہ گزرے گا بلکہ اس اضافہ سے "فکر و نظر" میں نثر و نظم دونوں کی ایک گونہ چاشنی پیدا ہو گی اور ناقدین و مبصرین کے لئے ہدفِ نگاہ بھی۔!!

ڈاکٹر محمد منور مسعودی

شاہِ ہمدانؒ کی تعلیمات

رسالہ دہ قاعدہ کی روشنی میں

ہر سحر آہ جہاں سوز برآرند رجان　　　رب سلّم ہمہ از گنبد خضرا شنوند

کشمیر میں اسلام کی عمر سات سو سال سے زیادہ نہیں ہے اگرچہ اس سے قبل وقتاً فوقتاً مسلمان یہاں آتے رہے لیکن ان کا مقصد نشر و اشاعت اسلام نہیں تھا۔ کشمیر میں پہلا مسلمان شام کا ایک باشندہ حمیم بن سام سنہ ۷۱۲ء میں راجہ اوپر کاندھ کے زمانے میں آیا تھا[1] پھر راجہ ہرش دیو کے عہد حکومت (۱۰۸۹ — ۱۱۰۱) میں کچھ غیر کشمیری مسلمان کشمیری فوج میں ملازم ہوئے[2] مسلمانوں کے آنے جانے کا یہ سلسلہ آٹھویں صدی ہجری تک جاری رہا بعض مسلم حکمرانوں

سلطان صدرالدین اور بلبل شاہؒ دونوں نے داعی اجل کو لبیک کہا ؎

اس زمانے میں کشمیر آنے والے بزرگانِ دین میں حضرت مخدوم جہانیان سید جلال الدین جہانگشت کو خاص مقام حاصل ہے۔ حضرتِ مخدوم جہانیان جہانگشت بھی کشمیر میں زیادہ عرصہ قیام نہ کر سکے ۹ء اور بالاخر دین حق کی خدمت کا یہ سلسلہ جو سنِ طفولیت میں تھا۔ حضرت امیر کبیر میر سید علی ھمدانیؒ کے دستِ مبارک سے معراج کو پہنچا۔ ۷۷۴ھ میں امیر کبیر میر سید علی ھمدانی رحمۃ اللہ علیہ سات سو سادات اور مریدوں کے ساتھ کشمیر آئے ۱۰ء آپ کی یہ آمد اچانک نہ تھی۔ بلکہ آپؒ پورے اطمینان اور سکون کے ساتھ تبلیغی ضرورتوں کے کامل احساس اور فرض شناسی کے ساتھ آئے تھے اس سے قبل آپؒ کے دو مرید اور چچا زاد بھائی میر سید تاج الدین سمنانیؒ اور میر سید حسین سمنانیؒ آپ ہی کے ایما پر کشمیر میں رہائش پذیر تھے۔ کشمیر کا علم دوست اور معارف پرور حاکم سلطان شہاب الدین ۷۶۰ء۔ ۷۷۵ء میر سید حسین سمنانی کا مرید بن چکا تھا ۱۱ء

اس دور میں کشمیر کی سرحدیں خاصی طویل تھیں، ان میں صوبہ سرحد اور پنجاب کے بیشتر حصے اس میں شامل تھے۔ جب شاہ ھمدانؒ یہاں وارد ہوئے تو بادشاہ کے نائب اور ولی عہد قطب الدین نے اُن کا استقبال کیا۔ ۱۲ء خود بادشاہ اُس وقت فیروز شاہ تغلق کے ساتھ جنگ کی مہم پر نکلا ہوا تھا۔ شاہِ ہمدان کی مساعی سے آتش مبازرت خاموش ہوئی: تاریخ حسن میں یہ واقعہ اس طرح درج ہے :۔

"در ایام محاربہ سلطان شہاب الدین با فیروز شاہ جناب امیر کبیر میر سید علی ھمدانی قدس اللہ سرہ، بقدوم میمنت لزوم خود خطہ کشمیر را رونق بخشیدند و سلطان قطب الدین کہ نائب سلطنت بود خدماتِ

ایشان کما ینبغی بجا آورد وآنجناب بعد چہار ماہ مراجعت

فرمودہ بمقام فیروز پور با سلطان شہاب الدین ملاقات

کروند و بین المتخاصمین تجویز مصالحہ نمو وند" [۱۲]

فریقین نے صلح کرلی اور سرہند شریف دونوں بادشاہوں کے درمیان سرحد قرار پایا

"عاقبت بفرمان حضرت امیر کبیر قدس اللہ سرہ کار صلح انجامید ملک پنجاب

را تا حدود سرہند شہاب الدین منصرف گشت [۱۳]

جیسا کہ کہا جا چکا ہے امیر کبیر علیہ الرحمہ پہلی بار ۷۷۴ھ یا ۷۸۱ھ میں

کشمیر آئے تھے۔ اس بار آپ نے یہاں زیادہ دیر قیام نہ کیا، اور سیاحت کے بعد لوٹ

گئے۔ ۷۶۰ھ میں دین اسلام کی نشر واشاعت کی غرض سے آپ نے اپنے اعزا و اقارب

میں سے سید حسین اور سید تاج الدین کو یہاں بھیجا۔ [۱۴] ۷۷۴ھ میں امیر کبیر علیہ الرحمہ

خود ایک بڑے گروہ کے ہمراہ کشمیر چلے آئے [۱۵]

امیر کبیرؒ کی کشمیر میں آمد پر کچھ مورخین نے ان کے اس سفر کو تیموری تہدید

کا سبب بتایا ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ سید علی علیہ الرحمہ کے پیر و مرشد شیخ محمود

مزدقانیؒ نے ان کو "ربع مسکون" کی سیاحت کا حکم دیا تھا، اور ان کے ہی حکم کے

مطابق وہ کشمیر آئے [۱۶]

دراصل یہ مشیت خداوندی تھی کہ اس بزرگ کے ہاتھوں یہ خطۂ جنت

نشان اذانِ حق کی وجد آمیز اور کیف آور صداؤں سے گونج اٹھے۔ تبلیغ اسلام کے

نصب العین سے کشمیر آنے والے بزرگانِ دین میں سید علی ہمدانیؒ سب سے مقبول

اور محترم ہیں۔ اگرچہ شاہِ ہمدانؒ کی آمد سے قبل کشمیری اسلام سے متعارف ہو چکے تھے لیکن

سّرِ توحید ابھی تک ان کے دلوں میں پوری طرح سے منکشف نہ ہوا تھا۔ روحِ اسلام اور حقیقت دین وایمان سے وہ ابھی تک بے بہرہ تھے۔ عوام ابھی تک ہندوانہ رسوم و عقاید پر عمل پیرا تھے۔ یا یوں کہئے کہ یہ لوگ ابھی تک پوری طرح شرعی امور سے واقف نہ تھے۔ سید امیر کبیرؒ نے سرزمینِ کشمیر سے کفر والحاد اور غیر اسلامی روایات اور بدعات کو ختم کر کے اس کی جگہ حیاتِ انسان کے لئے واحد اور بہترین ضابطہ حیات، یعنی اسلامی ضوابط اور شریعت کو رائج کر کے اسلام کی ایک عظیم خدمت سرانجام دی ہے۔ امیر کبیرؒ اسلام کے مخلص اور جاں نثار مبلّغ ہونے کے علاوہ عظیم مجاہد، سچّے عارف، جہاں بین، زاہد اور اولوالعزم مؤمن تھے۔ آپؒ نے شریعت اور قرآنی تعلیمات کے باقاعدہ نفاذ کے لئے اسلامی تعلیمات کے بہت سارے مراکز قائم کئے۔ ھمدان، ختلان اور کشمیر میں اب بھی یہ مراکز موجود ہیں کشمیر میں آپؒ کے دم سے دین وثقافت اور تہذیب و تمدّن میں حیرت انگیز انقلاب رونما ہوا، اور آپؒ کی مساعی سے اہلِ کشمیر کے دلوں میں ایمان اس طرح رچ بس گیا کہ دُنیا کی بڑی سے بڑی قوّت بھی اسے متزلزل نہ کر سکی، یہ ایک ایسا کارنامہ تھا جسے دُنیا کے بڑے بڑے جاہ وجلال والے بادشاہوں کی عظمت و سطوت کبھی اس قدر کم وقلیل عرصہ میں انجام نہ دے سکی۔ تبلیغ اسلام کے اس کام کو سادات کرام نے بڑی تقویت بخشی جو دین اسلام کی خدمت کے لئے اپنے وطن کو خیرباد کہہ کر پہاڑوں سے گھری ہوتی اس دشوار گذار وادی میں مصروف عمل تھے۔ امیر کبیرؒ نے کشمیر آکر حق وصداقت وحدانیت اور حقانیت کی مکمل تعلیم دی اور اہل کشمیر میں معرفت الٰہی کی تجلیوں سے ایک ولولہ خیز ذوق وشوق پیدا کیا۔ جنّت ارضی کا یہ خطّہ بے نظیر کلمۂ توحید ورسالت کی صداؤں سے گونج اُٹھا، آپ نے کشمیر میں دین اسلام کی تبلیغ کا ایک

باقاعدہ نظام قائم کیا، اور اکثر و بیشتر اور اہم مقامات پر مبلغ متعین کئے۔

"خزینۃ الاصفیا"، میں لکھا ہے کہ احکام شریعت بہ طفیل آں محبوب کبریا در کشمیر رواج یافتند و ہزارہا گمراہاں را روبراہ آوردند[17] اس کام کے لئے مبلّغین کو متعیّن کرنے کے علاوہ آپؒ خود دریائے بہت (موجودہ جہلم) کے کنارے دین اسلام کی باقاعدہ اور منظّم طریقہ سے موعظت فرماتے رہے۔[18] آج اسی مقام پر مسجدِ شاہ ھمدانؒ یا خانقاہِ معلّیٰ ہے۔ دین حق کے اس مقدّس مقصد کی تکمیل کے لئے آپؒ کے فرزند میر سید محمّد ھمدانیؒ (۷۷۴-۸۵۴ھ[19]) بھی آپ کے اس کام پر فائیض ہوئے۔ سیّد میر محمد کی کشمیر میں آمد کی تاریخ ۷۹۶ھ ہے۔[20]

امیر کبیرؒ کی دینی خدمات کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ کشمیر کی تہذیب و تمدّن اور ثقافت میں ایک عظیم انقلاب رونما ہوا، اور آپ کی اِن علمی اور رُوحانی کاوشوں کے نتیجہ میں ہزاروں غیر مسلم مُشرف باسلام ہوئے۔[21] سنیاسیوں، ساحروں اور بڑے بڑے برھمن عالموں کو قائل کر کے آپؒ نے اسلام سے مشرف کیا۔ جس کی ایک مثال للہ عارفہ ہے۔ علّامہ اقبالؒ نے امیر کبیر علیہ الرّحمہ کی اس قوّتِ نِگاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

ع یک نِگاہ او کشاید صد گرہ

شاہِ ھمدانؒ کی حیاتِ بابرکات کا کشمیر میں ایک جامع اثر پڑا جس کی بنا پر کشمیر میں ہندو تہذیب کی جگہ اسلامی اور ایرانی تہذیب کے ساتھ ساتھ فارسی کے رواج کو بھی فروغ مِلا۔ نُورِ اسلام کی اس شعلہ افشاں کرن کی تاب و تاثیر اتنی تادیر اور پُر اثر ثابت ہوئی کہ اِس وقت یہ سرزمین کشمیر کثیر تعداد میں دینِ حق کے ماننے والوں

کا مسکن ہے۔

شاہِ ھمدانؒ سلسلہ کبرویہ کے صوفی تھے۔ اور راہِ تصوّف میں اعتدال پر زور دیتے تھے ان کی تعلیمات اور عقائد جن کو آپؒ نے کشمیر میں رواج دیا، اور عوام کو شرک سے باز رکھنے کے مؤثر اقدام کئے۔ شاہِ ھمدانؒ کے ان ارشاداتِ عالیہ کو ہم نے "رسالہ دہ قاعدہ" کی روشنی میں خلاصہ کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ اس جانباز مُبلغ دین کے طرزِ فکر، توحید پرستی اور تعلیمات کا خاکہ سمجھ میں آسکے "رسالۂ دہ قاعدہ" کے آغاز میں سیّد امیر کبیرؒ فرماتے ہیں :۔

- حمد و ثنای نامتناھی بر حضرتِ پروردگاری راکہ احکام قواعد اسلام را طالبات ملکوتی گردانید واہتمام تزکیۂ نفوس را معراج سالکانِ جبروتی گردانید واعتصام بر جذبات عنایت ربّانی جناح طائرانِ فضای ساحت لاہوتی گردانیدہ وصلواۃ بسیار و درود بے شمار بر خلاصۂ و زبدۂ عالم و مہتر و بہتر اولاد آدم و سیّد اصطفا محمّد مُصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و بر اھل بیت وی کہ بہتران دین و پیشوایانِ اھل یقین اند"۔[۱۲]

ذات باری تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کی برتری و قدرت کے اظہار و اقرار کے ساتھ ساتھ نبی آخر الزّمان صلعم پر درود و صلوٰۃ کے فرماتے ھیں :۔

- "اے عزیز بداں کہ راہ ہائی طالبان حق بجانب بارگاہ احدیث بیشتر از آں است کہ آں را حصر توان کرد کہ الطرف الی اللہ تعالیٰ بعد دانفاس الخلایق، اما ھمگی راہ ہا بہ سہ قسم باز گردد"۔[۱۳]

اور ان تین راستوں کی اس طرح توضیح و تشریح فرماتے ہیں کہ پہلا راستہ ارباب

معاملات کا ہے اس میں روزہ، نماز، تلاوتِ قرآن، حج اور جہاد کو ہر مومن کے لئے وہ اولین شرط قرار دیتے ہیں۔ جہاد جو سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عظیم اور افضل عمل رہا ہے۔ شاہِ ھمدانؒ اس پر سختی سے کاربند اور عمل پیرا نظر آتے ہیں۔ ان کے یہاں یہی راہِ عمل مومن کی فلاح و نجات کا راستہ ہے۔

دوسرے راستے کو وہ ارباب مجاہدات کا راستہ بتلاتے ہیں، اور اسی منزل پر وہ تطہیر اخلاق، تزکیۂ نفس، تصفیہ دِل اور تخلیہ رُوح کو اہلِ مجاہدہ کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں

تیسرا راستہ بارگاہِ ایزدی اور اس کے بتلاتے ہوئے احکامات پر عمل پیرا ہونے کا ہے۔ طالبانِ حق کو حدیث قُدسی۔ موتو قبل ان تموتو کی پیروی کی تلقین کرتے ہیں۔ اور اس سعادت کے حصول کی بنیادیں دس قاعدوں پر مبنی قرار دیتے ہیں۔ قاعدہ اول کے آغاز میں سید امیر کبیرؒ فرماتے ہیں :-

قاعدۂ اوّل • توبہ است و حقیقت توبہ باز گشتن است بہ حضرتِ خداوند بالختیار چناں کہ بمرگ باز گشتن است بہ حضرتِ تعالیٰ بی اختیار پس توبہ بیرون آمدن بود از گناہ و ہر چہ بندہ را از ھمہ بیرون آمدن تا از ھستی خود [۴۴]

قاعدۂ اول کا خلاصہ نظم کی شکل میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

گر کلاہِ فقر خواھی سر بسر	از خود و جملہ جھاں یکسر ببر
چارہ ایں چیست؟ در خون آمدن	وز وجود خویش بیرون آمدن

این کلاہِ بی سراں است اے پسر
کے دھند تا تو نازی بسر

قاعدہ دوّم :- زھد و تقویٰ کے بیان پر مشتمل ہے۔ [۴۵] اس قاعدہ میں شاہ ھمدانؒ

نے زھد اور اِس کی حقیقت کو متصوفانہ انداز میں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ لکھتے ہیں:۔

- حقیقت زھد بیرون آمدن از دُنیا و آرزو ہائے آں کہ تعلق بدو دارد و از مال و جاہ و ناموس با اختیار چنانکہ بمرگ از ھمہ بیرون خواھد بلکہ حقیقت زھد آں است کہ از طلب درجات باقی عقبیٰ بگذرد۔ از طلب لذات فانی باید گزشت کہ

- الدُنیا حرامٌ علی اھل الاخرۃ والاخرۃ حرامٌ علی اھل دُنیا وھما حرامان علی اھل اللہ تعالیٰ [۲۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد گرامی ہے کہ اھل آخرت پر دُنیا حرام اور اھل دُنیا پر آخرت حرام اور اھل اللہ پر یہ دونوں چیزیں حرام ہیں۔ اسی بات کو نظم میں ارشاد فرماتے ہیں ؎

زہر لذت کہ در ہر دو جہاں است | کہ او در حضرت او بیش از آں است

چرا پس ترک آں ہر دو نہ گوئی | چو مشتاقان بی آں می نہ پوئی

ہر آں کو در نہ باز و ھر دو عالم
نگرد د در حریم خاص محرم [۲۷]

قاعدہ چہارم **توکلت علی اللہ** کے بحث و مباحث پر حاوی ہے، شاہ ھمدانؒ نے اِس حقیقت کو یوں پیش کیا ہے۔

- "حقیقت توکل بیرون آمدن بود از رویت وسائط اسباب بکلی باختیار چناں کہ بمرگ از ھمہ تعلقات و اسباب خروج خواھد کرد با اضطرار تا خروجی کہ

باختیار شده بود با اعتماد کرم خداوندی که رضای خداوند است و خروج اضطراری که بعد مرگ باشد مقرب عذاب سخت و خشم بود نعوذ باللہ منہا[28]

نفسانی لغزشوں اور بے ثمر تمتعات سے نجات دلانے کے لئے قاعدہ چہارم کو میر سیّد علی ہمدانی علیہ الرّحمہ نے قناعت کے تحت بیان کیا ہے۔ اس قاعدہ میں قناعت کی توضیح و تشریح کے ساتھ ساتھ متاعِ دُنیا اور حرص و ہوس کی طرف اشارہ فرماتے ہیں، اور کہتے ہیں:۔

- "اصل قناعت بیرون آمدن از لباس آرزوہای نفسانی و تمتعات بہیمی۔ چنانکہ بمرگ از آرزوھا جدا خواھد بود مگر آں مقدار کہ قوام اصل حیواۃ بر آنست معتولات و ملبوسات و رعایت حدِ اعتدال در آن۔[29]

ہر سری موی تو سلطانی بود | تا ترا نانی و خرقانی بود!
آنچہ ایں جا احتیاج است آں بکن | و آنچہ آنجا باید تو آں را بکن

پانچواں قاعدہ:۔ "عُزلت" ہے۔ عُزلت کی تشریح فرماتے ہوئے شاہِ ہمدان اس بات پر زور دیتے ہیں کہ انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو "آمیزش خلق" سے دور رکھے اور ان کی صحبت سے جُدا لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ مرُبّی کامل اور عمدہ سوسائٹی کے تال میل کا بھی سبق سکھاتے ہیں تاکہ اپنے مردہ نفس کو مربّی کامل کی ہم نشینی کے آبِ زلال سے پاک و صاف کر سکے۔ "عزلت" کے اصلی معنیٰ و مقصد کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

- "اصل "عُزلت" معزول کردن حواس است بخلوت باز داشتن چشم

از دیدن و گوش از شنیدن و زبان را از گفتن زیرا کہ ہر آفتی و بلای کہ بروح رسیدہ است و نیز حجابی از حضرت صمدیت محجوت کردہ است۔ اصل آن از روزینہ حواس است۔ ۳۹

عزلت نشینی اور عافیت گزینی پر شاہ ہمدان ؒ قاعدۂ پنجم کے آخر میں اس کی مزید بست و کشاد کے لئے اس بیان کو نظم میں پیش کیا ہے۔ اور مؤثر بنا دیا ہے۔ ہم یہاں پر اس نظم سے صرف نظر کرتے ہیں۔

چھٹا قاعدہ :۔ "ذکر" کے بیان میں لکھا گیا ہے اور اس میں غیر حق یا ماسوائے اللہ تمام چیزوں کی یاد سے خارج ہونے پر زور دیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں آیات قرآنی سے دلائل پیش کئے ہیں۔ والذکر ربک اذا نسیت ،یوم تبدل الارض غیر الارض کا مشاہدہ اور وھو معکم اینما کنتم اور فاذا البصر تنی البصر واذا البصر تم البصر تنا اور اس کی تشریح و توضیح درج ذیل نظم میں کی ہے۔

- ذکر مولیٰ باشد از تو در حجاب / تا کہ باشد یاد غیری از حساب
  کفر باشد گر نہی در عشق پای / تا بود یک ذرہ ہستی بجای
  گر ہمہ عالم ثواب تو بود
  تا تو باشی آں عذاب تو بود ۴۱

ساتواں باب :۔ "توجہ" پر لکھا گیا ہے، اور اس توجہ سے مراد ذاتِ باری کے تصور کا مکمل ادراک، اعتراف اور اس کی وحدانیت اور احکامات کی جانب بھرپور توجہ ہے۔ اس سلسلے میں تنبیہہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

- ...... اگر سالک راسخ صادق ہزار ہزار سال در راہ حق قدم

زند پس یک لحظہ از آنحضرت غافل بماند آں مقدار سعادت
کہ در آں لحظہ از وی فوت شود بیشتر از آن بود کہ در ہزار سال حاصل
کردہ بود[۳۲]۔

آٹھواں قاعدہ :۔ "صبر" ھے۔ اس کی شرح میں شاہ ھمدان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں
کہ صبر نفس کو ثابت قدمی اور عبادات کی محنت کے ساتھ مجاہدات کے فرش پر پاؤں جمانے
کا نام ھے۔ اور تزکیۂ نفسِ امارہ اُسے دوزخ کی آگ سے بچا سکتا ہے۔

نواں قاعدہ :۔ "مراقبہ" اور مراقبہ صوفیائے کرام کے ہاں ریاضت و عبادت کا ایک
خاص انداز ہے۔ بذاتِ خود مراقبہ سے مکمل یکسوئی کے ساتھ اپنے مطلوب و مقصود
پر نظر رکھنا ہے۔ یا پھر تمام دُنیوی جذبات و احساسات اور خیالات و توہمات کو ایک
جانب ڈال کر یادِ الٰہی میں مصروف ہو کر تجلیاتِ الٰہی سے فیضیاب اور سرشار ہونا ہے۔
ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء ــــ شاہِ ھمدان رح کے اس
سلسلۂ تعلیمات کا آخری قاعدہ "قاعدہ دہم" ھے۔

قاعدہ دھم : قاعدہ دھم میں شاہ ہمدان رح نے رضا کو موضوع بنایا ہے اور اس کی افہام
و تفہیم کے لئے نہایت جامع الفاظ میں تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے :۔

- "حقیقت رضا بیرون آمدن بود از رضای خودی بدخول در رضای
محبوب باختیار"

راضی بہ رضائے خداوندی کی برکات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ھیں :۔

- چوں خواست خود از میاں بر دارد و کاری عظیم با عظیم بگذارد و عطای
نامتناھی یابد و عطا ھای حالا عین رأت ولا اذن سمعت جز جناب

کبریا رانشاید"

- ادمن کان میتاً فاحییناه وجعلنالہ نوراً یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی ظلمات لیس بخارج منہا۔ بالوان عذاب وعقاب وحیات وحرص وحسد وھوا ابتلای بیند چگونہ برابر بود باکسی کہ در تاریکی بیابان غفلت گم شدہ چون آب درخت شجرۂ انسانی خشک گشتہ بر شاخ اصلاص لطافت شگوفہ ایمان ندیدہ واز لذت حلاوت میوۂ حکمت وولایت محروم ماندن وجعلنا اللہ وایاک من سعد بطاعتہ ومال بمحبتہ انہ، قریب مجیب والحمد للہ رب العالمین ۳۲

اسلوب بیاں کے اعتبار سے رسالۂ دہ قاعدہ توضیحی منطقی اور فلسفیانہ نثر کا بہترین نمونہ ہے پہلے مصنف ایک اصول پیش کرتا ہے۔ پھر اس کی توجیہہ اور پھر اُس پر عمل درآمد ہونے کے طریقے اور پھر کسی حدیث، قرآنی آیات یا حکایات کی مدد سے اس کے اصل اصول پر بحث کرتا ہے منطقی نثر کا یہ انداز جو جدید طرز نگارش کا طرۂ امتیاز ہے۔ آٹھویں صدی ھجری میں ارتقأ اور تکامل کی شکل میں شاہ ہمدان کے ہاں ملتا ہے

واصلؔ کشمیری حیات اور شاعری

• گل زروییت بچمن چاک گریبان دارد　　سنبل آشفتگی از زلف پریشان دارد
تا شدی انجمن آرای گلستان کشمیر　　ہمہ تا شاہی رخت دیدۂ حیران دارد

افغان عہد کے غزل گو فارسی شعرا میں واصلؔ کا شمار صف اول کے شعرا میں ہونا چاہیئے۔ کشمیر کے بہت سارے دوسرے شعرا کی طرح واصلؔ بھی اب تک پردۂ اخفا میں رہا۔ لیکن ادبی تحقیق اور جستجو سے ہمیں واصلؔ کی غزلیات کا دیوان ڈھونڈ نکالنے میں جو کامیابی حاصل ہوئی اس کی مدد سے شاعر کی حیات اور کارناموں پر ایک گونہ تعارف ممکن ہو سکا ہے۔ شاعر کا پورا نام محمد واصل خان تھا اور واصلؔ تخلص بھی کرتا تھا واصلؔ کی تاریخ پیدائش سے متعلق ابھی تک ہماری معلومات ناقص ہیں البتہ معاصر تذکرہ نگار بھگوان داس ہندی نے اپنے تذکرۂ ''سفینہ ہندی،، میں لکھا ہے کہ واصلؔ نے ۱۲۱۶ھ میں وفات پائی۔[1] اور لکھنؤ میں ایک مشہور و معروف شخصیت میر خلیل کی قبر کے قریب مدفون ہوا۔[2] واصل کی تاریخ وفات میں بھی خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ سید علی خان نے اپنے تذکرہ "صبح گلشن" میں واصلؔ کی تاریخ وفات ۱۲۰۷ھ بیان کی ہے[3]۔ اور لکھا ہے کہ وفات کے وقت واصلؔ کی عمر

بیاسی سال کی تھی "سفینہ ہندی"، کی مذکورہ تاریخ ۱۲۱۶ھ ہجری کے مطابق وفات کے وقت اس کی عمر اکیانوے (۹۱) سال کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ دونوں تذکروں میں دی ہوئی تاریخ وفات میں نو سال کا فرق پایا جاتا ہے۔ اور اس لحاظ سے واصل کی تاریخ پیدائش یا تو ۱۱۳۴ھ ہوگی یا پھر ۱۱۲۵ھ ہو سکتی ہے۔ اور اس صورت میں افغانوں کے کشمیر پر تسلط ۱۱۶۶ھ کے وقت واصل چالیس سال سے زاید عمر کا تھا۔ ہماری رائے "سفینہ ہندی" میں مذکورہ تاریخ وفات صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ از روی تحقیق یہ ہے کہ واصل اور "سفینہ ہندی" کے مؤلف بھگوان داس نہ صرف ہمعصر تھے بلکہ واصل کے لکھنو میں قیام کے بعد ان کے مراسم آپس میں اس قدر بڑھ گئے تھے کہ جانبین میں آخری وقت تک گہرے مراسم کے ساتھ ساتھ روزانہ کی ملاقاتیں بھی ہوا کرتی تھیں۔ "سفینہ ہندی"، میں اس طرف واضح اشارہ ملتا ہے مؤلف نے لکھا ہے۔

● "محمد خان واصل تخلص، بن عابد حسن خان بن عبدالکریم خان نسبتش براجہ کول کہ از اولاد نوشیروان عادل بودے۔ میر سید موطنش کشمیر و خودش ہمانجا تولد ونشو و نما یافتہ۔ چون والدش بہ بہشت برین واصل شد و جاگیر موروثی او تغییر گشت از وطن دل برداشتہ در عہد محمد شاہ پادشاہ (از ۱۱۳۱ھ تا ۱۱۶۱ھ) بدہلی آمدہ بہ خان دوران خان امیر الامرا پیوستہ سند بجای جاگیر از حضور حاصل کردہ بوطن رفت بار دوم عازم دہلی شد، بوساطت امیر الامرای مسطور، شرف ملازمت فردوس و در عہد احمد شاہ بادشاہ (۶۱ - ۱۱۶۷ھ) بن فردوس آرامگاہ بہ کوکای بادشاہ شرف ازدواج کردہ یکی از مقربان درگاہ گشت چون دہلی مورد فتنہ و فساد گشت، بہ جے نگر شتافت و باراجہ جے سنگھ پسر راجہ سنگھ پیوستہ، بہ عزت و وقار بسر می برد، آخر از آنجا دل برداشتہ

بعظیم آباد شتافت و بہ احمد علی خان ناظم آنجا ملاقی شدہ مصاحبت حاصل کردہ، بعد فوتِ او وارد لکھنو گشت۔

• نواب مدار الدولہ بہادر او را براقم سپردند۔ راقم بشرف ملازمت مہاراج ادھیر راج نراندر مہاراجہ تکیت رائے بہادر رسانیدہ "بمہاراج نامہ" گوئی ممتاز گردانید۔ در شعر و سخن شاگرد میرزا گرامی بود، بسیار آرمیدہ مزاج و خوشگو و بذلہ سنج و معنی یاب بودہ، تا بود با راقم ہر روز ملاقات می نمود، در سنہ یکہزار و دو صد و شانزدہ (۱۲۱۶ھ) واصل بہشت گردید و در تکیہ میر خلیل مدفون گشت ازوست"۔

• ای مہ! کہ بر رُخت خط مشکین نمود نیست
روشن بُوَد، در آتش خورشید دود نیست
دادند سر بہر بما، دولت نیاز
در سر نوشت ما، چو نگین جز سجود نیست
خورشید و ماہتاب بہر خانہ می رسند
ای مہ! ترا بمنزل ما چون ورود نیست

• از گریہ حیرت دل بیتاب روشن است
مانی الضمیر آئینہ از آب روشن است

"سفینہ ہندی" کے اس بیان سے یہ بات بھی وضاحت کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ واصل کی تعلیم و تربیت کشمیر میں ہی ہوئی تھی اور اس کا تعلق اعلیٰ علمی

اور نسبی طور پر شاہی گھرانے سے تھا۔ راجہ کول کا نوشیروان عادل کی اولاد سے ہونا اور
واصل خان بن عابد حسن خان بن عبدالکریم کے قدیم ایرانی شاہی خاندان نوشیروان
عادل سے نسبی تعلق کے سلسلے میں ہماری معلومات کا انحصار صرف بھگوان داس کے بیان پر
ہے۔ چنانچہ اس کی تصدیق و تردید میں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اتنا ضرور ہے
کہ واصل کے والد عابد حسن خان کی وفات کے بعد جب اس کی موروثی جاگیر کسی بنا پر
اسکے ہاتھ سے چلی گئی تو وہ وطن (کشمیر) سے دل برداشتہ ہو کر مغل بادشاہ محمد شاہ
۱۱۳۱ھ تا ۱۱۶۱ھ کے عہد میں دہلی چلا گیا۔ اور مغلیہ دیوان امیر الامرا خان
دوران خان کی وساطت سے اپنی موروثی جاگیر استنادی طور پر دوبارہ حاصل کر کے
کشمیر واپس چلا آیا۔ لیکن کچھ ہی عرصہ بعد دوبارہ عازم دہلی ہوا اور مغل بادشاہ محمد
شاہ کی ملازمت اختیار کر لی اور بہت کم وقت میں محمد شاہی دربار میں خاصی عزت
حاصل کر لی۔ ۱۱۶۱ھ میں محمد شاہ کی وفات کے بعد احمد شاہ (۶۱ - ۱۱۶۷ھ) کے دربار سے
بدستور منسلک رہا۔ اور اسقدر جاہ و عزت پیدا کر لی کہ ایک شاہی کوکہ سے واصل کی شادی بھی
ہوئی اور وہ اس طرح سے احمد شاہ کے مقربین میں شامل ہو گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انگریز،
سکھ، مرہٹے، راجپوت اور افغانوں کی نظریں پایہ تخت دہلی پر لگی ہوئی تھیں اور مسلسل
کسی نہ کسی گوشہ و کنار سے فتنہ و فساد جنگ کی صورت میں نمودار ہوتا تھا جب یہ فسادات
دہلی میں گھر کرنے لگے اور مغل شہنشاہیت متزلزل ہونے لگی تو واصل اس بار پھر وطن لوٹ
آیا۔ کشمیر میں یہ زمانہ افغان ناظم سکھ جیون مل کے عروج کا زمانہ تھا۔ واصل بھی ملک الشعرا
ملا محمد توفیق کے توسط سے سکھ جیون مل کی "انجمن شعرای فارسی" میں شامل ہو گیا لیکن چھ سات
سال کے ہی عرصہ میں جب اس مجلس کا شیرازہ بکھر گیا تو واصل تیسری بار ترک وطن کر

کے سیاسی انتشار کے باعث دہلی کے بجائے جے نگر کے راجہ مادھو سنگھ سے وابستہ ہو گیا۔ اور پوری عزت و وقار کے ساتھ کچھ عرصہ یہاں پر بسر کیا لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں یہاں سے بھی دل برداشتہ ہو کر اتر پردیش میں عظیم آباد چلا آیا اور وہاں کے ناظم نواب احمد علی خان سے وابستہ ہوا، نواب احمد علی خان بھی جب راہی راہ بقا ہوا تو واصل عظیم آباد بدایوں سے لکھنو چلا گیا اور پھر وہاں نواب مدار الدولہ بہادر سے باریاب ہوا۔ مؤلف سفینہ ہندی، لکھتا ہے کہ "نواب مدار الدولہ بہادر نے واصل کو میرے سپرد کیا اور میں نے اسے مدار الدولہ بہادر کے دیوان ادھبر راج نریندر راج اور راجہ تکیت رائے بہادر تک اس کی رہنمائی کر کے اسے انکے ملازمین خاص میں شامل کیا۔ اور منظوم "مہاراج نامہ" کا کام ان کے سپرد کیا گیا، چونکہ آصف الدولہ (مذکورہ مدار الدولہ) کے دیوان راجہ تکیت رائے بہادر کو خیانت کے جرم میں معتوب و معزول کیا گیا تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ واصل دیوان تکیت رائے بہادر کی معزولی کے وقت بقید حیات تھا۔ اس طرح "صبح گلشن" میں واصل کی تاریخ وفات غلط ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے غالب گمان بمطابق "سفینہ ہندی" یہ ہے کہ واصل ۱۲۱۶ھ میں فوت ہوا ہوگا۔ اور اس لحاظ سے وفات کے وقت اس کی عمر اکیانوے سال تک پہنچتی ہے اور اس بات کو اگر صحیح تصور کر لیا جائے تو واصل کی تاریخ پیدائش ۱۱۲۵ھ ہے۔ مذکورہ دیوان تکیت رائے سے وابستہ رہ کر شاعر نے مثنوی "مہاراج نامہ" لکھی جس سے واصل کی بڑی شہرت ہوئی۔ واصل کی یہ تاریخی مثنوی "مہاراج نامہ"، ابھی تک دستیاب نہیں ہو پائی ہے۔ شاعری میں واصل مرزا عبد الغنی بیگ قبول کشمیری کے بیٹے مرزا گرامی کشمیری کے تلامذہ با امتیاز میں سے تھا اور نہایت سنجیدہ مزاج، خوش گو، بذلہ سنج اور معنی یاب شاعر تھا۔ "صبح گلشن" کے مؤلف سید حسن علی خان نے لکھا ہے کہ:۔

• "محمد واصل خان واصل کشمیری مشق سخن از مرزا گرامی کردہ در سنہ سبع مائتہ ثالث عشرہ (۱۲۰۷ھ) بعمر ہشتاد و دو سال در شہر لکھنؤ جان بجان آفرین سپرد"۹، اور اس کے ساتھ محمد واصل خان کے یہ دو شعر نقل کئے ہیں ؎

• چون بمن نامہ آن روشنی دیدہ رسید
شد روان قاصد اشکم کہ جوابش ببرد
آنکہ، یکدم شب ہجران تو، آسودہ نخفت
سر نہد بر دم شمشیر کہ آبش ببرد[۱۰]

مذکورہ تذکرہ میں اسی مقام پر ایک دوسرے واصل کا بھی تذکرہ ملتا ہے اور وہ اس طرح ہے :-

• "واصل از سنجیدہ طبعان کشمیر بود و عمر عزیز در پی وصول مطلوب بہ دہلی بسر نمود"[۱۱] اور اس کے بعد واصل کا صرف یہ ایک شعر درج ہے ؎

داد ندسر بمہر بما دولت نیاز
در سر نوشت ما چون نگین جز سجود نیست[۱۲]

تذکرہ صبح گلشن کے ایک ہی مقام پر ان دو الگ الگ حوالوں اور بیانات سے بعد کے تذکرہ نگاروں کو یہ اشتباہ ہوا ہے کہ واصل نام و تخلص کے دو شاعر گذرے ہیں اور مختلف اوقات میں واصل کے نقل مکان کی وجہ سے اس نام کے دو شاعر بعد کے تذکروں میں وجود میں آگئے جبکہ ایسا نہیں ہے، ما قبل ادوار سے اس عہد کے اختتام تک واصل نام و تخلص کا صرف ایک ہی شاعر گذرا ہے جس کا ذکر "سفینہ ہندی" میں بہ تفصیل ہوا ہے اور "صبح گلشن" کے دو الگ الگ بیانات میں واصل سے وابستہ خاص

اشارات مشترکہ اور یکساں ہیں۔ جو اس بات کی قوی دلیل ہے کہ فاضل تذکرہ نویس سے اشتباہ ہوا ہے۔ اور تذکرہ نگاری کی رو میں یہ بات قلمزد ہوتی ہے اور اسی طرح واصلؔ کی تاریخ وفات میں بھی اشتباہ ہوا ہے اس تذکرہ کے دونوں بیانات میں جو مترادفات اور اشتراکی اشارے موجود ہیں وہ اس طرح ہیں:۔

- "صبح گلشن" کے واصل سے متعلق پہلے بیان ہیں، محمد واصل خان واصلؔ کشمیری اور دوسرے میں صرف "واصلؔ"۔ پہلے بیان ہیں "مشق سخن از مرزا گرامی کردہ"، دوسرے ہیں "از سنجیدہ طبعان کشمیر بود"۔ پہلے میں "در شہر لکھنو جان بجان آفرین سپرد"، دوسرے میں "عمر عزیز در پی وصول مطلوب بدہلی بسر نمود"

الفاظ کے اختلافات سے قطع نظر معانی ہیں دونوں کا متن یکساں ہے جس سے یہ بات یقین کی حد تک قابل باور ہے کہ واصلؔ نام کے دو نہیں بلکہ ایک ہی شاعر تھا، اور اس ضمن میں تیسری دلیل یہ ہے کہ "صبح گلشن" کے دونوں حوالوں میں درج واصلؔ کے اشعار اور "سفینہ ہندی" میں نقل واصلؔ کے اشعار بعینہٖ واصلؔ کشمیری کے دیوان میں موجود ہیں

اس سلسلے میں ایک اور بعد کے تذکرہ نگار محمد اصلحؔ میرزا کا مبہم سا بیان بھی ملاحظہ کریں:۔

- "واصل یکی از واصلان درگاہ حضرت سخن است، ہمیشہ بوصل شاہد معنی یابی شادکام بود۔ از وست ؎

- چون گرم غضب گشت، عرق کرد جبینش
  در تابش خور، ریزش باران چہ نمک داشت



- ندارم باکی، از موج خطر با دوست پیوستم
  غریق آب حیوان را، غم مردن نمی باشد

٭

- چون بمن، نامۂ آن روشنئ دیدہ رسید
  شد روان قاصد اشکم، کہ جوابش ببرد

٭

- آنکہ شب ہجران تو، آسودہ نخفت
  سر نہد بردم شمشیر، کہ آبش ببرد

اس سلسلے میں خود واصل کی اس غزل سے بھی اس کے نقل مکانی کا اثبات ہوتا ہے جس سے دو۔ دو۔ واصل وجود میں آئے۔ یہ غزل واصل نے اپنے وطن کشمیر کی یاد میں کہی ہے ملاحظہ ہو ؎

- پنہاں کسی چگونہ کند آشکار خویش
  شرمندہ روشدیم زلیل و نہار خویش
  خطت رسید دل بسر خاک و خون طپید
  کردی رقم چو نامہ بخط غبار خویش
  ای باغبان زجور تو این عندلیب من
  بست است آشیان بسر شاخسار خویش

٭

اس ضمن میں ہم یہاں پر واصل کا سلسلہ شاگردی اور معاصر شعرا کے دوش بدوش شجرہ بھی درج کرتے ہیں۔

ملا سامری

- گویا ابن سامری برادر جویا ابن سامری
- مرزا عبدالغنی قبول م ۱۱۳۸ھ
  - مرزا اکرامی خلف مبین قبول م ۱۱۵۰ھ
  - کشن چند اخلاص بن اچل داس کھتری
  - نزہت نور اللہ بیگ کشمیری کشتہ شد ۱۱۴۰ھ
  - ناجو بن قبول
  - ارجمند مرزا بن مقبول آزاد جنون تخلص میکرد
  - مرزا محترم بن قبول
  - رحمت اللہ تمکین کشمیری
  - احسن اللہ خان خان راضی کشمیری
  - صلابت نصاحت سید م ۱۱۲۷ھ
  - نعمت اللہ خان بن نواب روح اللہ خان نعمت اللہ الہام ۱۱۴۷ھ
  - خواجہ مقصود جامع کشمیری
  - مرزا علی بیگ کشمیری
  - محمد علی حشمت
  - علی قلی دلی
  - ملا محمد راقع
- ملا ساطع کشمیری م ۱۱۵۰ھ
  - سلام اللہ تسلیم بن شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی
  - حافظ حلیم
  - علیم اللہ خان علیم
  - مرزا نسیم
  - محمد واصل خان واصل
  - مولوی محمد توفیق
  - مولوی عبدالوہاب شائق
  - ملا محمد رفیع مانحی

ماخوذ از تذکرہ الشعرای کشمیر از پیرزادہ حسام الدین راشدی مؤلفہ میرزا محمد اصلح ص ۲۹۲

دراصل واصل کے نقل مکانی کشمیر سے دہلی، دہلی سے جے نگر جے نگر سے عظیم آباد یو پی اور پھر عظیم آباد سے بدایوں اور بدایوں سے واصل کے لکھنؤ میں مستقل قیام تک اپنے تخلص واصل ہی کے نام سے مشہور تھا اور صرف قریبی حلقہ ہی اس کے پورے نام سے واقف تھا اور اس لئے یہ نام دو صورتوں میں معرض تحریر میں آیا ہے۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری میں واصل کے دیوان کا ۱۲۲۷ھ کا مخطوطہ موجود ہے اس میں کم و بیش چار سو کے قریب غزلوں کے علاوہ مختصر قصائد اور رباعیات بھی شامل ہیں ۲۱۔

واصل نے اپنی رنگینی سخن سے اس زمانے میں لکھنؤ کے ادبی حلقوں میں اپنا سکہ بٹھا دیا تھا اور مشہور و معروف شاعر میرزا گرامی کے با امتیاز شاگردوں میں اسے کشمیر میں فارسی کے ادبی حلقوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا ۲۲۔ واصل کے کلام سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسے شاعری سے فطری لگاؤ تھا۔ اس کی غزلیات میں کثیر تعداد، بہاریہ عشقیہ اور رمزیہ غزلوں کی ہے می و میخانہ، بت و ساقی گل و بلبل، بہار و چمن، شیخ و برہمن، زاہد و میخوار اور شادابی اطراف کے مناظر کی عکاسی واصل کی غزلیات میں نمایاں طور پر پائی جاتی ہے۔ اس کی رباعیات میں عمر خیام کا سا انداز اور فلسفہ فکر پایا جاتا ہے غزلیات میں واصل نے حافظ کی سنگلاخ زمینوں میں طبع آزمائی کرکے فارسی غزل گوئی میں اپنی کمل دسترس اور مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ اگرچہ "مثنوی مہاراج نامہ" کا کوئی بھی نسخہ اب تک دستیاب نہیں ہو سکا ہے لیکن شاعر کے قصائد، غزلیات اور رباعیات کی شاعرانہ برجستگی اور پختگی کے لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ واصل کو مثنوی گوئی پر بھی پوری مہارت حاصل رہی ہوگی لیکن واصل کا "مہاراج نامہ" ہمیں دستیاب نہیں ہے جس سے اس کی مثنوی گوئی

پر سیر حاصل بحث ممکن ہو سکتی لہٰذا اس کی مثنوی سے متعلق ہمیں صرف اتنی ہی بات پر اکتفا کرنا پڑ رہا ہے۔

دیوانِ واصل کے علاوہ اس کی ایک اور تصنیف "نصاب واصل" یا "نصاب کشمیری"، کے نام سے کلچرل اکیڈیمی سرینگر کے تحقیقی کتابخانہ میں موجود ہے[۱۵]۔ واصل کی اس مختصر مگر مبسوط تصنیف جو ستر صفحات پر مشتمل ہے کا آغاز "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے ہوتا ہے اور اس کے بعد متنِ "نصاب" کی ابتدا ہوتی ہے شاعر نے اسکو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے پہلا باب تقطیع شعر میں ہے استناد تصنیف کے سلسلہ میں متن ملاحظہ ہو۔

• "ابتدا کہ .... داور کون و مکان (ق)

تا بماند نام این معجز بعالم جاودان

اگر خردمندی تو این بحر رمل از بر بخوان

فاعلات، فاعلات، فاعلات، فاعلات[۱۶]

واصل کشمیری کی اہم بات جو اس نصاب میں پائی جاتی ہے وہ کشمیری زبان و کلچر کا احیاء اور اس زبان سے متعلق نصابی معلومات ہیں شاعر نے کشمیری زبان کے نصاب سے متعلق ان اشعار میں کشمیری لغت کا مقدس استعمال بکثرت کیا ہے۔ مثلاً گہوارہ کا مُنزل کبوتر کا کوتر وغیرہ کا استعمال کیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ واصل نے کشمیری کلچر کے کچھ پہلوؤں کے علاوہ یہاں کے نباتات اور میوؤں کا بھی ذکر کیا ہے اور کشمیر میں پائے جانے والے بیشتر مشہور و معروف پھولوں کے نام بھی گناتے ہیں۔ ان پھولوں کے فارسی ناموں کے ساتھ ان کے کشمیری نام بھی لیے[۱۷] ہیں۔ پھر "اقسام نانہا"، اور اقسام "میوہ ہا"، نظم کئے ہیں۔ اقسام گلہا سے نمونے کے طور پر ایک بند پیش خدمت ہے۔

• نرگس و صد برگ و سوسن و بید مشک جعفری
مخمل و زنبق، گلاب است و ضمیران بعد ازاں
چون گل داد، دعباسی و ریحان آفتاب
یاسمن نورنگ و خطمی شد بنفشہ زعفران[۴۱]

قسم نان میں سے ملاحظہ ہو ے :۔

• نوع نانہا باقری خان است دیگر شیرمال
دیگر آبی کار چشم است و رقاق و تافتان
نان قندی، نان جتاقی، نان تہ دار
نان بادامی و نان پنجہ کش ہم نوع نان
نان کافی نان محمودی و نان تنکتکی
نان پیچان نان خاکستر بود اقسام نان[۴۲]

اس تصنیف کی فرہنگی اور تہذیبی اہمیت کے علاوہ اہم اور لسانی خصوصیت یہ ہے کہ یہ کشمیری اور فارسی کے مماثل نصاب پر مشتمل ہے چنانچہ کشمیری زبان کے صرف و نحو سے متعلق اس کتاب سے خاصی مدد لی جا سکتی ہے۔ واصل کے ادبی اور شعری کارناموں پر تحقیق کے دوران ہم کو شاعر کا جو دیوان مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے کتاب خانہ سے دستیاب ہوا اس سے درج ذیل اشارات اور انتخابات ملاحظہ ہوں ے

دیوان کی پہلی غزل میں دوسرے مصرعوں کے آخری حصے مٹ چکے ہیں[۲۱] اسکا مقطع یہ ہے ے :۔

آشفتہ ٔ نگاہ تو تنہا نہ واصل است
• صحرا نورد عشق تو چندیں غزالہ ها

دوسری غزل کے چند اشعار

• ای پری سودای جنبت از ازل داریم ما[۲۲] | گفتگوی تازه ای بر ہر مِلل داریم ما
کیست امشب ہمسری دارد بما در بزم می | بادہ زیر شیشۂ می در بغل داریم ما
چشم ما از درد عشقت آنقدر ہا ریخت آب | ہر قدم در راہ شوقت صد خلل داریم ما

• آہ زلفت ببلا کرد گرفتار مرا | ورنہ با دام کجا بود سروکار مرا
در عدم سلسلہ جنبان جنون بودم من | زلف زنجیر بپا کرد نہ این بار مرا
تازہ آوارگی افتاد بدل رہگذرم | خضر راہ است درین بادیہ ہر خار مرا
دل دیوانہ بگلزار چہ پروا دارد | بس بود رشک چمن سینۂ افگار مرا
خیمہ ہا میزنم از آبلہ در دشت جنون | نیست منّتِ بسر از سایہ دیوار مرا

• روز وصلت چو نباشد شب ہجرانی ہست | نیست گر گل بچمن خار بیابانی ہست
شمع گر نیست بخلوتکدہ ام، گو نبود | چشم گریان، لب خندان، دل سوزانی ہست
حاجتی نیست کہ داری بمزارم شمعی | داغہای جگرم طرفہ چراغانی ہست
گریہ کردم از غم لیلی شیرین سخنی | کوہ و صحرا و چمن لالہ و ریحانی ہست
گر خیال چمنت ہست بیا جانب ما | کہ بہ ہر داغ دلم سیر گلستانی ہست
سر زند نالۂ بلبل بخرامت ہر جا | نقش پای تو مگر یک چمنستانی ہست
خط سبز تو بگرد لب لعل میگون | خضر لب تشنہ برین چشمۂ حیوانی ہست
واصلم تا شدہ سیراب ز فیض سخن | مصرع ہر غزل دفتر دیوانی ہست

چرا ذوق رمیدن ندارد دلم پرورده وحشت پناه است

● نه سمن نه نرگس ونه لاله زارم آرزوست
جلوهٔ رنگین یار گلعذارم آرزوست
دل بصرای جنون سرگشته سر کرده است
حلقهٔ زنجیر زلف تا بدارم آرزوست
از کجا آموختی طرز تغافل این چنین
یک نگاه ناز چشم پرخمار آرزوست
در چنین جوش بهار ای ساقی گل پیرهن
بادهٔ رنگین ز جام زر نگارم آرزوست
رحم کن صیاد بکشا یک نفس بال و پرم
یک پریدن قالب بام بهارم آرزوست
شیخ تکلیفی مکن دیگر بسوی قبله ام
گوشهٔ محراب ابروی نگارم آرزوست
ما چه میدانم آب خضر و جوی سلسبیل
آب تیغ ابروی خمار یارم آرزوست
هست سجود ملائک نقش پای غوث دین ۲۲
سرمه از خاک درش در چشم نارم آرزوست
واعظم چون رنگ و بوی گل بآن گل پیرهن

باز چیر انم چرا وصل نگارم آرزو ست

واصل کو تاریخ گوئی پر بھی مہارت حاصل تھی اس کے ایک قصیدے سے مغل وزیر عماد الملک شاہ غازی الدین خان صفدر فیروز جنگ کی تاریخ بھی برآمد ہوتی ہے۔

- آہ از جفای این فلک تیرہ زشت رای

هرگز نشد بهیچ یکی عاینت گرای

از واقعہ وزیر بہ واصل سروش عیب

گفتا "بہ ضرب گولہ جان داد ہای ہای"

دیوان کے آخر میں ایک اور جگہ واصل کے ایک قصیدہ میں یہ تاریخ بھی ملتی ہے جو واصل نے وزیر مذکور کی شان میں لکھا ہے ؎

- آن سپہ سالار ہندوستان و فیروزی نشان

رستم از یک حملہ اش گوید بمیدان الامان

یافت واصل تاریخ مبارک خدمتش!

"بخشی اقلیم ہند"، از ہاتف عیب الانسان

واصل کے دیوان کی آخری غزل یوں ہے

- چہ سان ایدل زنم در دامن آن تند خو دستی

کہ دستی بر سر خنجر گذارد در گلو دستی

چنین دامن کشان گر بگذری ای سر و نازمن!

برنگ سبزہ از خاکم برآرد آرزو دستی

پریشان چون نگردد خاطرت مشاطۂ نازش

کہ ہمچون شانہ اش دارم بزلف مشک او دستی

پروش چون نظر کردم سرشک اندیدہ ام سرزد

بود دور از ادب بردن بمصحف بیوضو دستی

چرا چاک گریبان تا بدار مانم رسا نبود (ح)

کہ ہمچون گل ز زخم او ندارم در رفو دستی

داصل کی رباعیات کے چند نمونے ملاحظہ کیجئے

- ای بندہ نواز کار پرواز جہاں — صد جان بیک احسان تو سازم قربان
  چشم سر من چو باز کردی روشن — ہم چشم دلم بساز روشن تر از آن

- یارب ز کرم بندہ نوازی کردی — کز آتش عشق دل گدازی کردی
  پیراہن آلودۂ من بدمستی — از آب سرشک خوش غازی کردی

- آن شوخ کہ چون زلف دوتا کرد رہا — زنجیر جنون کرد بپای دل ما
  از قامت ناز او چہ می پرسی باز — صد شور قیامت بجہان کرد بپا

- برگ گل و لالہ شبنم افشان خواہم — صد گوہر با لعل بدخشان خواہم!
  رخسار نگین عرق افشاں خواہم — خوننابہ ز دو چشم و لعل خندان خواہم

• دام زلف یاد صید مضطرا بم کرده است
بادهٔ لعل لبش مست و خرابم کرده است
چشم وادارم چو کوکب تا سحر از انتظار
آرزوی روی او فارغ ز خوابم کرده است

• دل شد اسیر گیسوی مشکین تابدار
هندو ببین که ملک بدخشان گرفته است
دامن ز خون واصل اگر میکشد چرا
بر سنگ سرمه خنجر مژگان گرفته است

• نرگس چو چشم من بره انتظار کیست
وین لاله همچو سینهٔ من داغدار کیست
هر صبح خنده بر گل خورشید می زند
آئینهٔ نوبهار ز رنگ عذار کیست
آتش زند به سینهٔ افلاک روز و شب
این آه و ناله از جگر بے قرار کیست

• این گلستان جنون ما تماشا کردنیست
جیب دامانی پر از گلهای سودا کردنیست

- ای مژہ ات خنجر و پیکان جفا است — وان زلف کجت کمند صید دلہا است
  صیاد دو چشم و دانہ اش خال سیہ — آن مردمک چشم مگر صید نما است

رباعیات میں ہندوستانی لغت کا استعمال ہے۔

- لعل بگہر مرصع ارزان خواہم — گلدستۂ یاسمین و ریحان خواہم
  چون کتھ و سپاری زیب پان است — زین ہر سیہ یکی گم شدہ من پان خواہم

حافظ شیرازی کے رنگ میں بھی واصل کی متعدد غزلیں اور متفرق اشعار ملتے ہیں اگرچہ بعض غزلیں حافظ کی زمین میں بھی ملتی ہیں۔

- تو خطی داغ دل خونین تماشا کرد و رفت
  در دل ہر غنچہ ام صد شعلہ انشا کرد و رفت
  از نگاہ نیم مست ان می رنگین ادا
  بر دل شیخ و برہمن کار صہبا کرد و رفت
  از فسون دلبری آن یوسف گل پیرہن
  طاقتم تاراج چون خواب زلیخا کرد و رفت
  سرو رعنا جلوۂ شور قیامت در بغل
  خوش بچشم واصل ما کار مینا کرد و رفت

حافظ کی ایک اور غزل کا مطلع یہ ہے ؎

- بدام زلف تو دل مبتلای خویشتن است
  بکش بہ غمزہ کہ اینش سزای خویشتن است

اس زمین میں واصل کے غزلیہ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

• دل کہ در کوچۂ زلف تو شب آرام گرفت

کاروان یمن ما وطنِ شام گرفت

• جوشش بادۂ عشق از خم می خانہ ماست

مستی نہ فلک از گردش پیمانہ ماست

ہر خیال از دل ما رقص کنان می آید

مگر این شیشہ گلرنگ پریخانہ ماست

گل کہ با چاک گریبان بچمن می خندد

در عدم خستہ دل شوخی جانانہ ماست

از سر زلف تو زنجیر توانش کردن

شور محشر بجہان از دل دیوانہ ماست

نور شمع دل ما سوخت چراغ خورشید

طرح افلاک ز خاکستر پروانہ ماست

واصل از غمزۂ او تاب بیا ورد فلک

عشق شوخیست کہ آتش زن کاشانہ ماست

• بادۂ رنگین کہ شب در جام ریخت | از نگاہ آن ساقی گلفام ریخت

پختہ مغزہای جوشش نوبہار | شور سود اور سر ہر خام ریخت

قصہ رسوائیم زاہد مپرس | طشت نیک نام من از بام ریخت

آہ چشم واصلم در کوی یار | خون دل بسیار صبح و شام ریخت

• شب به بزم آن نازنین شوخی ادا پرداز بود

جان بلب دل در طپیدن رنگ سر پرواز بود

یاد آن روزی که جانانم چونی دم ساز بود

همزبان و همدم و همدرد و هم آواز بود

روش در گلشن خوان رشک باغ و بهار

یک چمن گلهای رنگین فرش پا انداز بود

به نگردد از دوا بیمار چشم مست ناز

عاجز از جادوی چشم مست او اعجاز بود

باده و مینا و جام و مطرف و چنگ و رباب

چشم بد و راست ساقی محفلم با ساز بود

بسکه در کنج قناعتهاست گنج عافیت

این همه تشویش و رنج و غم ز حرص و آز بود

در ره عشقس نمیدانم چه انجام بود

حسن روز افزونی او و اصل هنوز آغاز بود

• زاهد ز جام عشق کشیدم چو زهر ناب

هر قطره بکام من آب زلال شد

مستانه جلوهٔ که بصد رنگ میکنی !!!

چندین هزار عالم دل پایمال شد

جز نامهٔ سیاه ندارد بدست خویش

ہر کس ز حسن شیفتۂ خط و خال شد

اوپر قدرے تفصیل کے ساتھ ہم نے واصل کے کلام کا نمونہ پیش کیا ہے تاکہ اس کی روشنی میں ہم شاعر کی فارسی سخن سرائی میں اس کا صحیح مقام متعین کر سکیں۔ غزلیات کا بدقت مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ واصل کو غزل گوئی میں بڑی دسترس حاصل تھی اور اس نے اس میں ندرت خیال، زور بیان اور قدرت زبان کا ثبوت دیا ہے۔ حافظ شیرازی کی بیشتر زمینوں میں کئی شعرا کی طرح واصل نے بھی غزلیں کہی ہیں لیکن انصاف سے کہنا پڑتا ہے کہ ایسا کرنے میں کسی حد تک اسے خاصی کامیابی ہوتی ہے، سلاست و روانی، شیرینی و لطافت، موسیقیت اور تفہیم و ابلاغ کے لحاظ سے واصل کے بہت سارے اشعار بعض ہندوستانی شاعروں پر فضیلت رکھتے ہیں واصل کا ہمعصر شاعر ملا محمد رافع امیر الامراء خان دوران خان کے پاس محمد شاہ کے درباریوں میں شامل اور اس وقت کے قصیدہ نگاروں میں اسے بڑی اہمیت حاصل تھی لیکن واصل نے قصیدہ میں بھی اپنی فنی برتری کا ثبوت دیا ہے۔

غزل گوئی واصل کا سب سے بڑا صنف سخن تھا اور اس نے اپنی غزلیات میں حافظ کی سی بلند خیالی اور دقیق نظری، فصاحت و بلاغت نادر اور اچھوتے خیالات کا پُرکشش انداز میں اظہار کیا ہے بلکہ واصل نے رندی سرمستی زاہد و شیخ و برہمن گل و بلبل، عاشق و معشوق کے جلوہ ہائے رنگارنگ اور شادابی کے موضوعات کو بالکل حافظ کے انداز میں بیان کیا ہے واصل کی ایک خصوصیت جو اسے دوسرے مقامی فارسی شعراء سے متمیز کرتی ہے یہ ہے کہ اس کے اشعار زیادہ سلیس اور روان ہیں۔ باآسانی سمجھ میں آنے کے ساتھ ساتھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا شاعر سننے والے کی زبان حال سے

بول رہا ہے۔ انسانی جذبات کی اس انداز بیان میں عکاسی واصل کی سخن سراتی کا مایۂ امتیاز ہے۔ نئی نئی تشبیہات نئے استعارات اور اس کا سلیس اور روان انداز بیان اور اس دور کی مشکل آراتی سے نکل کر ایک نئی روش کا آغاز کرتا ہے اور فارسی غزل کو ایک نئی نظر رس کے ساتھ پیش کر کے اس کی شیرینی و لطافت میں اضافہ کرتا ہے۔ عام فارسی شعرا کا بالخصوص ہندوستانی فارسی شعرا کا رندی و سرمستی کے بیان میں ایک تقریباً متصوفانہ اور پیچدار فلسفیانہ اسلوب ہوتا ہے اور قلبی واردات و جذبات گویا ایک غیر مانوس صورت میں شکل پاتے ہیں جبکہ واصل اس مشکل کی گرہ کشائی کر کے سادگی بیان کے ساتھ شعر کی تاثیر میں اضافہ کرتا ہے اور یہی تاثیر پذیری اس کی شعر و شاعری کی اہم ترین خصوصیات میں سے ہے۔ ذیل میں ہم ضمناً واصل اور حافظ کی یکساں بحر کی ایک غزل پیش کرتے ہیں جس میں اگرچہ واصل کی برتری دکھانا مقصود نہیں لیکن اس کی کامیاب کوشش اور بیان و زبان کی دلکشی کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

حافظ شیرازی	واصل کشمیری
نفس باد صبا مشک فشاں خواہد شد	چہرہ کشا کہ قیامت بجہان خواہد شد
عالم پیر دگر بارہ جوان خواہد شد	عاشق روی تو ہر پیر و جوان خواہد شد
ارغوان جام عقیقی بسمن خواہد داد	سخن از ساغر و می گو بچہ فکری واعظ
چشم نرگس بشقایق نگران خواہد شد	آنچہ از من شدنی ہست ہمان خواہد شد
این تطاول کہ کشید از غم ہجران بلبل	شد بہار آخر و گل زرد شد و لالہ نماند
تا سراپردۂ گل نعرہ زنان خواہد شد	بلبل سوختہ کی نعرہ زنان خواہد شد
گر ز مسجد بخرابات شدم خردہ مگیر	ساقی گل رخ من یکدو قدح زن بر چمن

مجلس وعظ دراز است و زماں خواہد شد • کہ بیک چشم زدن دور خزان خواہد شد

ای دل ار عشرت امروز بفردا افگنی
مایۂ نقدِ بقا را کہ زماں خواہد شد • چہرۂ شاہد مقصودِ عبارت پوشید

ماہ شعبان منہ از دست قدح کاین خورشید • آہ این چشم نوکا شک فشان خواہد شد

از نظر تا شب عید رمضان خواہد شد • حاجتی نیست بخاکم کہ چراغ افروزی

گل عزیز است غنیمت شمریدش صحبت • شعلہ نور ہمین تشنہ زبان خواہد شد

کہ بباغ آمد ازین راہ وازآن خواہد شد • جام می در کش ونظارۂ گل کن واصلؔ

مطرباً مجلس آن است غزل خوان وسرود • کہ برنگ دگر اسباب جہان خواہد شد

چند گوئی کہ چنین رفت وچناں خواہد شد •

حافظ از بہر تو آمد سوی اقلیم وجود

قدمی نہ بوداعش کہ روانی خواہد بود •

مذکورہ غزل کے تقابلی مطالعہ کے بعد واصلؔ کی کوشش تسلی بخش حد تک کامیاب نظر آتی ہے۔

واصلؔ نے اپنے کلام کو مشکل تعبیروں، تشبیہوں اور استعاروں سے آراستہ کرنے کی بجائے سادہ بیانی اور سلاست وروانی سے کام لیا ہے اور پیچیدہ بیانی کے قطعہ نظر تصوف وعرفان کو غزل میں رندی وسرمستی سے اس طرح ملایا ہے کہ ان کے دائیروں کے اطراف وجوانب اور خفیہ گوشے صاف صاف دکھائی دینے لگتے ہیں مثلاً؂

• وصل جانان گر طلب داری زخود بیگانہ شو
تا ز صہبای محبت پر شوی پیمانہ شو

واردات عشق در بزم و حریم جان جان
گر طلب داری بگرد شمع جان پروانہ شو

واقف اسرار وکہ مو بمو خواہی شدن
چاک کن دل را بزلف آن پری رو شانہ شو

واعظان آب زبانی تشنہ گامان را دہند
شربت عناب گر خواہی سوی میخانہ شو

وارث ملک سلیمان تا شوی مور ضعیف
خرمن خود سوز و فارغ از ہوای دانہ شو

واصل ار داری گنج بی پایان شوق
بگذار از آبادی خود ساکن ویرانہ شو

• اگرچہ ہند را از یک دگر محمود برہم زد
شکست فوج صبرش آخر از زلف ایاز آمد
سر پی مغز زاہد تا کجا بر پای خم داری!
بزن دستی بزانوی ادب وقت نماز آمد

واصل کی ایسی ہی ایک اور غزل کے چند اشعار پیش خدمت ہیں ؎

• جنونی نو کند پیدا دلم ہرگہ کہ یار آید
بلی بلبل خروشان می شود چون نوبہار آید
چو آن غارتگر گلشن خرامان در چمن گردد

خراش سینۂ بلبل زغم بر نوک خار آید

بروز مردن من طرۂ پرچین کشاد آن بت

ہنوز از مشت خاکم نگہت مشک تتار آید

اوپر دیئے گئے اشعار میں معنی و مطالب کی جو گہرائی پائی جاتی ہے اس سے بہ ظاہر ہوتا ہے کہ واصل نے مطالب و معانی بڑی آسانی کے ساتھ ادا کئے ہیں اور غزل کو تعقید الفاظ سے بچا لیا ہے۔ واصل کا کلام اس طرح کی مثالوں سے بھرا پڑا ہے اور اس طرح اس صنف سخن میں شاعر نے جو جداگانہ انداز بیان اور آسان و سادہ مگر لطیف و دلکش اور شیریں طرز نگارش اپنایا اور اس میں مکمل مہارت و قدرت کا ثبوت دیا ہے اس دور کے ادب بالخصوص صنف غزل میں اس کی مثال کم ہی ملتی ہے۔ یہاں پر اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ واصل کی ایک سے ایک اچھی غزل نکالی جا سکتی ہے۔ اس کے مکمل، دقیق اور سیر حاصل مطالعہ کے لئے الگ سے ایک باب ہو سکتا ہے تاکہ واصل کے کلام کا مطالعہ بھرپور انداز میں مزید دلائل اور اثبات کے ساتھ پیش کیا جا سکے اس لئے طوالت سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم اپنی بات کو واصل کے کلام سے منتخب صرف چند ایک مثالوں پر ختم کرتے ہیں ؎

- بیا ای خوش ابر چشم خونبار

گریبان تا بدامان کن شر رنار

ز زلف آن بت سرمست طناز

کشد در گردن خود شیخ زنار

زبس سرگرم سودای تو گشتم

براهم شمع روشن گشت هر خار
ز حیرت بر سر مژگان سرشکم
ز غمازی چو منصور است بردار
عرق چون از عتاب آورد بر رد
بآب و تاب دیدم حسن دلدار

• دارم ز چشم مست تو میخانهٔ دگر!
وز گردش نگاه تو پیمانهٔ دگر
تا جلوه کردی ای بت نازک ادا بنازه
این دیده و دلست پری خانهٔ دگر
عمری گذشت است که پوشیده در بغل
دارم برای زلف تو یک شانهٔ دگر
نگرفت خار وادی مجنون چو دامنم
خواهم که سر کنم ره ویرانهٔ دگر
زاهد چو قصه از سر زلفش مطول است
کن مختصر بخوان به من افسانهٔ دگر
چشم کسی چگونه بخواب آشنا شود
شمعی دگر بسوز پروانهٔ دگر

- گر دد چہ کم زنّار تو گر جلوہ ای کنی
جان مید ہد بکوی تو یک بسمل دگر
ای رہرو طریقیت دل گام بیش زن
در ہر قدم بود بہ رہش منزل دگر
دیدم بکوچہ اش چو شدم برامید وصل
در خاک و خون طپیدہ دو صد واصل دگر

مندرجہ بالا اشعار میں موزوں تشبیہات اور آسان تمثیلات اور استعارات کا جس فنکارانہ انداز میں استعمال ہوا ہے اس سے واصل کی غزل گوئی کے ان کوششوں پر بھی روشنی پڑتی ہے جنہیں ہم سوزِ عشق اور ساز و طرب سے تعبیر کرتے ہیں۔ واصل کے اشعار میں اظہار خیال فکر اور جذبے کی موزون و مناسب حد تک ہم آہنگی قابل ستائش ہے مثلاً یہ غزل ملاحظہ ہو:۔

- سر گذشت حسن گل از بلبل دیوانہ پرس
حالت سوز گداز شمع از پروانہ پرس
سبز پوشان واقف اسرار بزم دل نیند
درد نوشان محبت در رہ میخانہ پرس
ساقی شیرین سخن ہر جا کہ گردد جلوہ گر
پاو سر را از کہ پرسی[۳۲] از می و میخانہ پرس
سرّ پنہانی چہ دانند بیرون ماندگان
نکتۂ راز از من محرم نہ از بیگانہ پرس

سادہ لوحان رمز معنی را چہ میدانند حیف

واعظ دیوانہ را از قصہ و افسانہ پُرس

سرمہ از چشم سیاہش گر نمی گوید سخن!

حالت زلف پریشان از زبان شانہ پُرس

ساکن مسجد چہ داند جز حدیث وعظ و پند

مست جام عشق راز گردش پیمانہ پُرس

سرخ روی بزم واصل گشتہ ام در دھر فنی

ہر چہ می خواہی بیاد از من مستانہ پُرس

واصل زاہدوں اور واعظوں کی پردہ دری میں بھی بیباک نظر آتا ہے۔

• زہد و تقوی ایک طرف یکسو ست دستار و ردا

زاہد مسجد نشین در بزم رندان یافتم

زہد و تقوی ایکطرف تسبیح و دستارت چہ شد

پیر من زاہد تر در بزم مستان یافتم

• تا شدم از حق پرستی واقف اسرار خویش

غم ندارم ہر گز از بود کم و لبسیار خویش

شکوہ سوائی از دل ندارم اینقدر

گشتہ ام رسوای خلق از دیدہ خونبار خویش

• زاہد بگیر جام دگر توبہ ات شکست
آیت ز سر گذشت چہ یک نیزہ چہ دست

• زاہد بروز درد دل عاشقان مپرس
بیگانہ ای ز راہ محبت نشان مپرس
دارد بہار گلشن جان داغ نالہ اش
واصل تو سوز بلبل از خزان مپرس

• از ازل یک قطرہ در جام فلک افگندہ است
بر سرش خاکی کن و بگذار سوی می فروش
گر دل دیوانہ زاہد از تو بیدل گشت و رفت
بر سرش خاکی کن و بگذار سوی می فروش[۲۵]
حیف زاہد دل دہی با زلف حوارن بہشت
ہر دو عالم کی رسد با تار موی می فروش
گر دکوشش می زند صد چرخ گردون صبح و شام
تا کشد بر دوش خود یکدم سبوی می فروش
می کند ہر دم دل دیوانہ ام بی اختیار
ای صبا افگن غبارم را بکوی می فروش
بر امید جلوۂ رنگین او ہر صبحدم!

چون صبا سر می زند واصل بسوی می فروش

آخر میں واصل کی یہ غزل ملاحظہ ہو جس میں اشعار کا ربط و ضبط، تسلسل، روانی اور ترنم و تغزل قابل تحسین ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ واصل کا عارفانہ تخیل بھی ملاحظہ ہو کہ کتنی رفعت پا چکا ہے۔ بیتابی دیدار اور نوای رقص کی جھنکار واصل کی اس غزل کی خاص خصوصیت ہے ؎

• صوفی بیا کہ باز در آمد ہوای رقص
مطرب کجا شدی کہ سرایی نوای رقص

صدرہ کنیم دیدہ دل فرش پای او
یکرہ چو آن پری کمن آید بپای رقص

صبر از دلم ربود چہ آمد بگوش جان
در شوق او ز گنبد گردون صدای رقص

صندل کجا و درد دل عاشقان کجا
این درد را دوا نبود جز نوای رقص

صحبت اگر طلب کنی ای دلسوند عشق
از آب گرم چشم بجوشان دوای رقص

صورت پرست کی شود آگہ ز رمز دل
بر چرخ ہفتم است شاہنہای پای رقص

صحبت چہ سان طلب کنی از بیخودان عشق
بیگانہ است از ہمہ کس آشنای رقص

صبح از فنون عشق چو بلبل بباغ شوق

کردیم طرح این غزل اندر ثنای رقص

صحرا و کوہ رقص کنند از ہوای شوق!

واصل چرا قدم نہ زنی در فضای رقص

واصل شوق و شغف اور بیخودی و بے اختیاری کے ساتھ میخانہ و ساقی و شراب کا نام لیتا ہے۔ اس سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شراب پیتا تھا لیکن اس کے کلام کے عمیق مطالعہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ دراصل شراب معرفت کی شکل اختیار کر گئی اس حالت میں وہ رقصان و دست و پا کوبان غزل سرا ہوتا ہے۔

واصل کی رباعیاں بھی جیسا کہ اوپر بیان ہوا ان میں بالعموم اس نے ایک خاص فلسفہ فکر کو برتا ہے بظاہر اگرچہ رباعیات میں اس کے فلسفۂ فکر کے گوشے فلسفۂ عمر خیام سے ملتے جلتے ہیں تاہم اس کا اس صنعف میں بھی اپنا جداگانہ انداز ہے حقائق اشیا کا ادراک، حیات و ممات، اس کہنہ سرا دنیا کی بے ثباتی اور فنا کے تصور کے ساتھ ساتھ اس کی نو آبادی اور تعمیر نو واصل کا مطمع نظر ہے گویا وہ قنوطیت کا شاعر نہیں نئے ولولے اور ایک نئے آدم کی تخلیق میں یقین رکھتا ہے۔ اور اس کے فکر کی یہ اصالت اسے دوسرے رباعی گو شاعروں سے الگ کرتی ہے مثال کے طور پر اس طرح کی کچھ اور رباعیاں ملاحظہ ہوں ے

- آنانکہ درین مقام دم ما و اہستند

از ہستی و نیستی خود در ستند

نی خود بمیان نہ دیگری را بینند
از خود شدہ بیخود بخدا پیوستند

• ای اگرت ولی است فریادی کن
در حضرت عشق داد بیدادی کن
از پا بر کن بنای هستی یکسر
این کهنہ سرای را نو آبادی کن

• یارب زکرم بندہ نوازی کردی
کز آتش عشق دل گدازی کردی
پیراهن آلودۂ من بد مستی
از آب سرشک خوش نمازی کردی

• آهو بانی سیاہ چشمی بدخو،
می بست بزنجیر غزال خوش رو
گفتم صنم این غزال شوخی میکرد
رم کردہ بمن گفت آهو، آهو

• آن شوخ چون زلف دوتا کرد رہا

نے بھی کشمیر پر مسلط ہونے کی کوشش کی جن میں محمود غزنوی کا نام بھی تاریخوں میں آیا ہے لیکن اسلام کی تبلیغ و تربیت صحیح معنوں میں آٹھویں صدی ہجری (چودھویں صدی عیسوی) کے اوائل سے شروع ہوئی یہ وہ زمانہ تھا جب کشمیر کی سیاست عدم استحکام اور بحران کا شکار تھی۔ ۷۲۵ھ میں مقامی سرداروں کے آپسی جھگڑوں کے نتیجے میں لداخ کا شہزادہ ریچن وادی کشمیر کا حکمران بنا۔ یہ بدھ مت کا پیرو تھا۔ اور عالموں اور دانش وروں کا قدردان بھی تھا۔ وہ ہمیشہ حق کی تلاش میں رہتا تھا۔ اور اُسے ایک ایسے سچے اور جامع مذہب کی تلاش تھی جو اس کی روح کو اطمینان اور قلب کو سکون پہنچاتا۔ تاریخ حسن کے مصنف نے ریچن کی اس بے قراری اور قبول اسلام کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

- "وقتیکہ ریچن بمذہب بودھ (بدھ) بود، بر سریر جہاں بانی استقلال یافت وبکثرت اختلاف مذاہب و ملل، مذہب اصلی راخلل دیدہ خواست کہ در ملک ماتحت خود یک ملت مروج سازد۔ چونکہ دخول مذہب شیوہ متعذر بود و در مذاہب دیگر تردد ماندہ۔"

دوسرے دن اس نے دیکھا کہ ایک جمیل اور فرشتہ سیرت بزرگ باوقار انداز میں مکمل خضوع و خشوع کے ساتھ عبادت میں منہمک ہے ریچن کو یہ انداز بندگی بہت پسند آیا اور اس بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دین اسلام کے بارے میں پوری پوری معلومات حاصل کیں اسلام کی سادگی کا اس کے دل پر گہرا اثر پڑا۔ اور ریچن مسلمان ہو گیا۔ اس واقعہ کو مورخ پیرزادہ حسن شاہ کھویہامی نے

یوں بیان کیا ہے :-

- "بامدادان جناب سید شرف الدین ملقب بلبل شاہؒ را دیدکہ بر ساحل آب زوی دریاتے بہت نمازی خواند، نماز و نیاز آں پسندیدہ با اہل عیال خود بمذہب او گردید فرد ابمتابعت او راون چندر پسر رام چندر و سران سلطنت و عامۂ خلایق جوق در جوق بر دست سید بزرگوار بشرف اسلام مشرف گشت"۔ اس واقعہ کی تاریخ نظم میں یوں بیان کی گئی ہے :

یار من بہر محفل آرای	شد تماشائی ہر تماشائی
روی او کرد دعوٰی اسلام	موئی او کرد کفر آرای
کفر و اسلام را بجنگ آورد	خود مرآں جنگ را تماشایی

اسلام قبول کرنے کے بعد ریچن شاہ کا دینی نام صدر الدین رکھا گیا، کشمیر کے اس پہلے مسلمان بادشاہ کی اتباع اور سعی کے نتیجہ میں نہ صرف اس کے کنبہ کے افراد بلکہ عام لوگ جوق در جوق اس بزرگ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے ہاتھ پر بیعتِ اسلام کرتے رہے اس طرح اس مرحلہ میں دس ہزار سے زائد کشمیری اسلام کے فیضان سے مشرف ہوئے اسلام کے اس داعی کو ہم شرف الدین عبدالرحمٰن بلبل شاہؒ اور بلال شاہؒ کے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔[۵]

—— سید شرف الدین بلبل شاہ سہروردی سلسلہ کے بزرگ سید نعمت اللہ ولی کے مرید تھے اور کشمیر میں پہلے مسلمان مبلغ تھے[۶] ان کی خواہش پر صدر الدین نے ایک خانقاہ اور مسجد بھی سرینگر میں تعمیر کروائی ہے اور بالآخر ۷۲۷ھ میں

زنجیر جنون کرد بپای دل ماه

زقامت از ادچہ می پرسی باز

صد شور قیامت بجہان کرد بپا

• ہندو زنگی ماہ رخی آفت جان

باشوہر مردہ بسوخت خود را خندان

گفتم کہ چرا تو زندہ خود را سوزی

گفتا بتوان زیست بداغ ہجران

•

ہندو ایران میں فارسی اخبار نویسی

فارسی علم وادب کی تاریخ اگرچہ نہایت قدیم ہے لیکن فارسی اخبار نویسی کی تاریخ ڈیڑھ سو سال سے زیادہ پرانی نہیں ہے فارسی اخبارات کا اجرا صرف ایران اور ایرانیوں ہی کا مرہون منت نہیں ہے بلکہ اس سلسلے میں ہندوستان کے رہنے والے بھی ایرانیوں کے شانہ بشانہ اس خدمت میں مدتوں مصروف رہے جس وقت ایران میں پریس کی ابتدا ہوئی وہاں کے سیاسی حالات بڑے ابتر تھے بادشاہ کی گرفت عوام اور اقتدار دونوں پر ڈھیلی پڑتی جارہی تھی اور اس کے سیاسی مخالفین پریس کی مدد سے اس کے اقتدار کو ختم کر دینے کے درپے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے اخبارات کا ایران سے شایع ہونا ناممکن تھا اسی لئے اس نوع کے اخبارات کو ہندوستان کی آب وہوا راس آئی۔ اور یہاں سے ایسے اخبارات نکلنے لگے جو

ایرانی بادشاہ کے اقتدار کو چیلنج کرتے - ایسے اخبارات میں جمال الدین افغانی کے اخبار" حبل المتین "، کو ایک خاص مقام حاصل ہے اخبارات وقتی نوعیت کے حامل ہوتے ہیں اور آج کا اخبار کل کے لئے بیکار سمجھا جاتا ہے اس لئے ان کی کوئی مرتب و مربوط تاریخ نہیں مل پاتی زیر نظر مقالہ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ایران اور ہندوستان سے نکلنے والے اولین اخبارات کے بارے میں قارئین کرام کو مختصر مگر ضروری معلومات فراہم کر دی جائیں اور ضمنی طور سے اس بات کا بھی جائزہ لیا جائے کہ ان اخبارات کا اس زمانے کے سیاسی اور سماجی حالات پر کیا اثر پڑا۔

اب تک کی معلومات کے مطابق فارسی کا قدیم ترین اخبار محمد شاہ قاچار کے زمانہ میں سنہ ۱۸۳۷ء میں شائع ہوا اس اخبار کے مدیر مرزا صالح شیرازی تھے جنہوں نے فن طباعت انگلستان میں سیکھا تھا اور اس کام سے اچھی واقفیت حاصل کر لی تھی۔ مزید یہ کہ ایران واپس لوٹ کر اپنا اخبار" ایران "، بھی جاری کیا تھا لیکن باقاعدہ فن کے طور پر ابھی یہ کام ایرانیوں میں مقبول نہیں ہوا تھا۔ پروفیسر براؤن کی اطلاع کے مطابق سب سے پہلے سنہ ۱۸۲۰ء میں مرزا جعفر نامی ایک شخص کو لیتھوگرافی کا فن سیکھنے کے لئے سرکاری طور پر ماسکو بھیجا گیا بعد ازاں ناصر الدین شاہ کے زمانے تک پہلے تبریز اور پھر طہران میں اور بعد میں تقریباً تمام بڑے شہروں سے اخبارات نکلنے شروع ہوئے۔ پریس کھلنے کے بعد اشاعت کے ساتھ ساتھ اخبارات کی اشاعت میں بھی روز افزوں اضافہ ہوا۔ " وقایع اتفاقیہ " وہ پہلا باقاعدہ فارسی اخبار ہے جو ناصر الدین شاہ قاچار کی عہد حکومت کے ابتدائی زمانے میں مرزا تقی

امیر کبیر کے اشارے پر نکالا گیا تھا۔

"وقایع اتفاقیہ" کے بعد انیسویں صدی کے اواخر تک بہت سے اخبارات نکلے جو حیات و مرگ کی کشمکش میں مبتلا رہے لیکن ان میں "ایران"، "علمی مصوّر" "شرافت"، "کاوہ"، "صور اسرافیل" "نسیم شمال" وغیرہ ایسے اخبارات ہیں جو مقبول بھی ہوئے اور بہت دنوں تک نکلتے بھی رہے۔ "نسیم شمال" تو اپنے وقت میں سرمۂ چشماں مردم بن گیا تھا اور اس کے مدیر کو لوگ آقای نسیم شمال کے نام سے جانتے تھے۔

ناصر الدین شاہ اور مظفر الدین شاہ کے ادوار حکومت میں بہت سے فارسی اخبارات بیرونی ممالک سے بھی شائع ہونے لگے ان میں سے اسلامبول (استنبول) سے روزنامہ "اختر"، لندن سے روزنامہ "قانون"، مصر سے روزنامہ "ثریا" "پرورش" اور کلکتہ ہندوستان سے "حبل المتین"، عشق آباد ہندوستان سے "ماوراء بحرِ خزر"، وغیرہ بہت مقبول ہوئے۔ اسی زمانے میں خود ایران سے فروغی کا روزنامہ "تربیت"، مجیر الدولہ کاشانی کا روزنامہ "اطلاع"، اور امیری کا روزنامہ "ادب"، بڑی آب و تاب سے نکلتے رہے۔ اس زمانے تک جمہوری خیالات عام ہو چکے تھے۔ اخبار نویسوں کا روئے سخن اب عوام کی طرف تھا اس لئے فارسی نثر تمام مصنوعی القاب و آداب کو پس پشت ڈال کر سلیس اور سادہ پیرائے میں جلوہ گر ہوئی اس طرح رفتہ رفتہ ایک ایسی سادہ صاف سلیس اور رواں نثر عالم وجود میں آئی جو آگے چل کر ہر طرح کے علمی ادبی اور فلسفیانہ موضوعات احاطہ کرنے والی تھی۔

مرزا ملکم خان ناظم الدولہ نے اپنے قیام لندن کے زمانے میں روزنامہ "قانون" جاری کیا اور اس میں سیاسی اور اجتماعی موضوعات پر مضامین لکھنے کا ایک دلچسپ سلسلہ شروع کیا اگرچہ فارسی ان کی مادری زبان نہیں تھی لیکن انہیں سادگی کے ساتھ ساتھ روز مرّہ اور محاورہ کی صحت کا بہت خیال رہتا تھا، جس کی وجہ سے ایک نئی اخباری زبان عالم وجود میں آئی جس کی تقلید خود ایرانیوں نے بھی کی۔

ناصر الدّین اور مظفر الدّین شاہ کے دورِ حکومت میں ہندوستان میں جو فارسی اخبارات گاہ گاہ شائع ہوتے تھے ان میں سے روزنامہ "حبل المتین" جس کا ذکر اوپر آچکا ہے کچھ ہی عرصہ کے بعد ایران منتقل ہو گیا اور وہیں سے شائع ہوتا رہا۔ لیکن اس کے بعد چند اہم فارسی اخبارات جو ہندوستان میں چھپتے رہے ان کا ذکر یہاں پر ضروری ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے تسلط کے بعد شمالی ہند کا سب سے پہلا فارسی اخبار "زبدۃ الاخبار" تھا جو ۱۸۳۳ء میں آگرہ سے شائع ہوا۔ اس کے مالک اور مدیر منشی واجد علی اور راجہ رام موہن رائے وغیرہ تھے اس اخبار کی اشاعت سے قبل مسٹر منڈرسن نے آگرہ سے ایک فارسی اخبار جاری کیا تھا جو شمالی ہندوستان کا فارسی رسم الخط کا پہلا اور ہندوستان سے شائع ہونے والا فارسی کا پانچواں اخبار تھا اس کا نام "آگرہ اخبار" تھا اور آگرہ پریس سے شائع ہوتا تھا لیکن یہ چند ماہ بعد انگریزی اخبار کی صورت میں شائع ہونے لگا۔ ایک دوسرا اخبار "آئینہ سکندر" کے نام سے شائع ہوتا تھا جس کے ایڈیٹر یا مقام اشاعت

کا کتابوں میں کوئی پتہ نہیں چلتا۔ البتہ محمد عتیق صدیقی صاحب نے اپنی کتاب "ہندوستانی اخبار نویسی"، میں اس کی ابتدا اور انتہا مندرجہ ذیل جن دو اشعار سے ہوتی تھی وہ بڑی محنت سے ڈھونڈ نکالے ہیں۔

- آئینہ سکندر جام جم است بنگر تا بر تو عرضہ دارد احوال ملک دارا

اور اس شعر پر ختم ہوتا تھا۔

- آئینہ سکندر قلب صفا و لانت عکس وقایع از وی روشن جہاں است

یا کبھی کبھی ابتدا میں یہ شعر بھی لکھ دیا جاتا تھا۔

- ہر کہ او ذوق سخن دارد بجان خدمتش نسخہ باشد ارمغاں

ایک دوسرا اخبار "ماہ عالم افروز"، کلکتہ سے ۱۹ جنوری ۱۸۳۸ء میں مولوی صلاح الدین کی نگرانی میں شائع ہونا شروع ہوا چنانچہ اس اخبار میں مصنف مذکور نے اس کی ایک خبر "خبر خونِ ناگہانی"، کے عنوان سے اپنی کتاب میں نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک انگریز شکاری کے ہاتھوں اس کے شکار کا نشانہ ایک بڑھیا بنی اور یہ مقدمہ انگریزی عدالت میں دائر ہوا جس کے دونوں حصے یعنی انگریز کا بیان اور اس پر مجسٹریٹ کا فیصلہ آپکی نظر ہے۔

- "فی الواقع ایں زن از دست من بہلاکت رسیدہ است امادر حالت نادانستگی۔ چرا کہ ارادۂ من بہ ہلاکت زن نہ بود۔ نشانہ بر سگ جنگلی نمودہ بودم، ناگاہ غلولہ بندوق از نشانہ خطا کرد"،

ماہ عالم افروز"، آگے چل کر مجسٹریٹ کے فیصلے پر ایک بزرگ کے اظہار خیال کو پیش

کرتاہے:

• "صاحب مجسٹریٹ پاس قومیت خود فرمودہ قاتل راکہ متمول بود بلا جرم و قصور از علت خون بی گناہی مخلص دادند۔ اگر کسی مرد غریب و از قومیت دیگر بودی البتہ سپرد دورہ می شدی و پنج و شش ماہ در حاجت و حوالات لبسر اوقات خود ساختی بعدہٗ ہر آں چہ از پیشگاہ حکام ذوی الاحتشام بر حالش شرف نفاذ گردیدی مستوجب آں بودی ...... ؟؟

"سلطان الاخبار" جو کلکتہ سے ہفتہ وار شایع ہوتا تھا اس کی ادارت "فسانہ عجائب" کے مصنف مرزا رجب علی بیگ سرور کے ہاتھ میں تھی جو لکھنؤ کے آسمان ادب کے درخشاں ستارے تھے اس اخبار کے اجراء کی صحیح تاریخ کا کوئی پتہ نہیں چلتا اور نہ ہی اس سال یا زمانے کا کوئی علم ہے جب کہ مرزا موصوف کلکتہ میں تھے اس اخبار میں ۱۸، اکتوبر سنہ ۱۸۴۱ء کو نواب شمس الدّین کی بے گناہی کے باوجود انہیں پھانسی دی جانے کی مفصل خبر محمد عتیق صدیقی صاحب نے اپنی کتاب میں درج کی ہے۔ لیکن طوالت کے خوف سے صرف اس کے دو شعر نقل کئے جاتے ہیں جس سے تقریباً پورے واقعہ کا نقشہ ذہن میں آجاتا ہے ؎

• یہ دست درازیِ ستم کس سے بیاں ہو | بے جرم وہ بیگناہ مسند نواب کو الٹا
تاریخ معمہ میں نئی طرز سے لکھ کر تم | کیا چرخ نے نوابیِ سہراب کو الٹا

ایک اور اخبار جو امریکین مشنریوں کا فارسی اخبار تھا "لدھیانہ اخبار" کے نام سے مشہور تھا جائے طباعت کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ لیکن اخبار کے نام سے ایسا لگتا ہے کہ شاید لدھیانہ سے شائع ہوتا رہا ہو۔ "مہر منیر" اس سلسلے کا کلکتہ کا پہلا فارسی اخبار تھا جو سہ روزہ تھا یہ یکم جنوری ١٨٤١ء میں محدود ہونے کے باوجود دہلی اور قلعہ معلّی کی خبر صحت کے ساتھ شائع کرتا تھا مرزا اسداللہ خان غالب پر عدالت فوجداری میں مقدمہ اور چھ ماہ کی قید بامشقت اور دو سو روپے جرمانہ کی خبر اس اخبار سے عتیق صدیقی نے اپنی کتاب "ہندوستانی اخبار نویسی"، میں نقل کی ہے۔

دہلی کا فارسی اخبار "سراج الاخبار"، تھا اور ہفتہ وار تھا یہ بھی ١٨٤١ء میں جاری ہوا لیکن اس کی نوعیت اور اخباروں سے اس لیے مختلف تھی کہ یہ بہادر شاہ آخری تاجدار مغلیہ کے دربار کا روزنامچہ یا سرکاری گزٹ تھا جیسا کہ مصنف مذکور کے تذکرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ انگریزی اخبارات کی خبریں بھی ترجمہ کروا کر سنا کرتا تھا اور غلط خبروں کی تردید اپنے "سراج الاخبار"، کے ذریعے کرتا تھا چنانچہ اس زمانے کے "کلکتہ اسٹار"، میں ایک خبر یہ شایع ہوئی کہ "حضرت بادشاہ خم پایہ گاہ از استماع دخبر، درخصوص آوردن دروازہ سومناتھ مسرت افروز شد......"

غالباً اس غلط خبر کا مقصد یہی رہا ہو گا کہ بادشاہ کے خلاف ہنود کے دلوں میں نفرت پیدا کی جائے چنانچہ "سراج الاخبار"، میں اشتہار دیا گیا کہ یہ خبر غلط ہے اور مہتمم "سراج الاخبار"، نے "کلکتہ اسٹار"، کے ایڈیٹر کو متنبہہ کرتے

ہوتے لکھا کہ بادشاہ کو " از استماع ہیچو لغویات تنفر فطری است " اور ایسی خبروں کو شایع کرنے سے کیا فائدہ جن کو پڑھ کر لوگ جھوٹ سمجھیں اور اُن پر مضحکہ اڑائیں۔ یہ اخبار بہادر شاہ کے ساتھ ہی دفن ہو گیا۔

چودھویں صدی کے نصف اول کے بعد تک فارسی کے جتنے بھی اخبارات ایران میں یا ایران کے باہر چھپ رہے تھے ان کی تعداد کم و بیش چھ سو سے نانوے ہے جن پر میں اپنے طویل مقالے " اخبار نویسی در سراسر جہان " میں تفصیلی بحث کر چکا ہوں آج کل ایران سے یوں تو لاتعداد اخبارات شائع ہوتے ہیں لیکن ہم صرف چند اخبارات کے نام پر اکتفا کرتے ہیں۔ جن میں سے روزنامہ " آئندگان طہران سے " " ازہنگ " ، " فاروں " ، " ایرانیان " ، " کیہان " ، " کوشش " " مرد سازر " ، " مہر ایران " ، " ندای ایران " ، " پیغام " ، امروز " ، " راہ مردم " اور روزنامہ پارسی وغیرہ سب کے سب سیاسی نوعیت کے اخبارات ہیں اور طہران سے ہی شائع ہوتے ہیں۔ ایران کے کچھ دوسرے شہروں سے چھپنے والے چند اخبار یہ ہیں۔ " صدای مردم " اور " نوای ملّت " ، آباوان سے روزنامہ " پارس " فارس ایران سے " آفتاب مشرق " ، خراسان سے۔ " اصفہان " ، اصفہان سے ، خبر ہای روس " ، بھی اصفہان سے ' اور " خراسان " ، مشہد سے شائع ہوتا ہے یہ اخبارات بھی مذکورہ نوعیت کے ہیں اور کافی مقبول ہیں۔

مولوی عبدالوہاب شایق

احوال و آثار

شایق کشمیری ۱۱۲۷ھ مطابق ۱۷۱۵ء میں پیدا ہوئے تھے [۱] اور انہوں نے ۱۱۸۲ھ مطابق ۱۷۶۸ء افغانوں کے کشمیر پر تسلط کے سولہ سال بعد انتقال کیا [۲]۔ ان کا تعلق علمی گھرانے سے تھا اور اس وقت کی مروجہ اور دینی تعلیم کے حصول کے بعد انہوں نے کھویہامہ کے موضع وچھنہ میں امامت کے ذریعہ دینی خدمت کا کام شروع کیا [۳] یہ ایک جانب ان کے لئے کسب معاش بھی تھا اور دوسری جانب اپنے علمی مشاغل کو جاری رکھنے کے لئے ایک پرسکون طریقہ بھی علمی مشاغل میں شاعری ان کا مرغوب ترین مشغلہ تھا چنانچہ مسجد کے پرسکون ماحول میں رہ کر ان کی شاعری پروان چڑھی۔ یہ مغلوں کا کشمیر میں آخری زمانہ تھا۔ فارسی زبان و ادب کشمیر میں اپنے پورے شباب پر تھا۔ شایق کے لئے یہ ماحول بڑا حوصلہ افزا تھا لیکن کشمیر میں مغل امراء کے ہاں سیاسی انتشار کی بناء پر شایق کی قدردانی

نہ ہوسکی اور پھر دُرانی پٹھان احمد شاہ ابدالی نے دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجا رکھی تھی۔ اور کشمیر
کو حاصل کرنے کے لئے پنجاب احمد شاہ کی جنگوں کا مرکز بن چکا تھا کشمیر کے مغل فرمانروا بھی
سرکشی اور بغاوت کے لئے پر تول رہے تھے اور اس سیاسی انتشار کی وجہ سے کشمیر میں صدیوں
پرانی فارسی کی ادبی روایت متنزلزل ہو رہی تھی۔ بالآخر جب ۱۷۵۲ء میں عبداللہ خان
ایشک نے مغل ناظم ابوالقاسم خان کو شکست دیکر کشمیر پر قبضہ کرلیا اور چھ ماہ تک کشمیر پر
افغان ناظم کی حیثیت سے قابض رہا۔ پھر اس کے بعد جب سکھ جیون مل عبداللہ خان
کا جانشین مقرر ہوا۔ تو یہ جمود ٹوٹا اور فارسی زبان و ادب نے نئی سانس لینا شروع کیا۔ سکھ
جیون مل عالم اور شاعر حکمران ہونے کے ساتھ ساتھ ادب نواز بھی تھا۔ اس نے
حکومت سنبھالتے ہی ادبی سطح پر "انجمن شعرای فارسی" کی تشکیل کی اور جن سات شعراء
کو شاہنامۂ کشمیر لکھنے کے لئے متعین کیا ان میں عبدالوہاب شایق بڑی اہمیت کے حامل
ہیں شایق شاعری میں موزون طبع رکھتے تھے۔ اور سادہ اشعار کہتے تھے۔ تاریخ گوئی
میں انہیں خاص مہارت حاصل تھی سکھ جیون مل کے کہنے پر شاہنامہ لکھنا شروع کیا۔
اور ان کے ذمہ سادات رشیوں، عارفوں، دوسرے اولیا و صوفیای کشمیر اور ان کے
یاران طریقت پر مثنوی نظم کرنے کا کام ان کے سپرد کیا تھا۔ شائق نے "ریاض الاسلام"
کے نام سے اس شاہنامہ کا آغاز کیا۔ ان کے کلام کے تقریباً ساٹھ ہزار اشعار تین
مسودوں میں مجلد ملتے ہیں لیکن تینوں جلدیں نامکمل ہیں۔ [۱] شایق کے منظوم آثار
میں ان کی مذکورہ مثنوی "ریاض الاسلام" موجودہ شکل میں چالیس ہزار اشعار پر مشتمل
ہے اس میں سادات کی کرامات، شعرائے کشمیر اور اسلام آنے کے بعد کشمیر کے صوفیا اور اولیائ
کے کوائف و ارشادات نظم کئے ہیں "ریاض الاسلام"، کو اس لحاظ" سے کشمیر کی تاریخ

اسلام سمجھنا چاہیئے۔ یہ مثنوی شاہنامہ کشمیر کے ساتھ "کتابخانہ" "انڈیا آفس" کلکتہ میں موجود ہے۔

شایق کا ہمعصر افغان حکمران سکھ جیون مل جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اس دور کا پہلا اور آخری حکمران تھا جو خود بھی فارسی کا بہت بڑا عالم اور شاعر بھی تھا اس نے یہاں کے فارسی علماء اور شعراء کی بڑی قدر اور حوصلہ افزائی کی۔ زبان و ادب کی تاثیر اور اسکے نتائج کے مدنظر اس نے اس بات کی پوری کوشش کی کہ وہ مغلوں کی اس روایت کو زندہ رکھ سکے۔ چنانچہ شاہنامۂ کشمیر اور اس کے لئے "انجمن شعراء" کی تشکیل اس کی سیاسی اور ادبی سوجھ بوجھ کا ایک نتیجہ تھی۔ جو اس روایت کو بعد میں بہت آگے تک لے گئی۔ شایق نے جیون مل کی شان میں متقدین کی طرز پر ایک مثنوی کہی ہے جو شاعر کے سبک و افکار اور انداز بیان کے مطالعہ کے لئے اہمیت کی حامل ہے۔ اور اس سے شایق کی شخصیت اور مثنوی پر اسکے عمیق مطالعہ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

- دلی باریابند اہل علوم — کہ وارستہ اندازہجوم و عموم
- ہنرمند را در جہان طالب است — با اہل سخن بیشتر راغب است
- گران شد از و قیمت شاعران — بسنجد بمیزان زر آسمان
- مراھم از و چشم بخشائش است — بہ مدحش سر زیب و آرایش است
- جو طبعم بہ مدحش روان می شود — فسانہ زمن داستاں می شود
- ز لطفش کنم شمہ ای را بیان — کہ روزی بر بزمش شدم نغمہ خوان
- سخن در میان آمد از مثنوی — ز نظم نظامی دگر خسروی
- شد از لطف آن راجہ نکتہ دانؑ — یمین از لب لعل گوہر فشان

که خواهم ز اعجوبه روزگار — بماند ز ما نامه ای یادگار
بود زنده نام همه از سخن — دهد چرخ کام همه از سخن
کهن گشت شاهنامه های قدیم — بود تازه مقبول طبع سلیم
ز تاریخ کشمیر جنت نظیر — ز هر واقعه کان بود ناگزیر
سخنور پناها! بفرمان تو — بنظم آید این نظم درفشان تو
نیم همچو فردوسی پاک دین — که شهنامه گویم ملفظ متین
مرا رتبه آن سخنور کجاست — همیزان او گنج گوهر کراست
ولی همت گر بود یار من — به شهنامه سخی رسد کار من
ز سامانیان رودکی سود کرد — ببزم طرب ساز خود سود کرد
هزاران غلام سمن سبوی داشت (ق) — سه صد بیش ..... ے
معزی که مدح ملکشاه گفت — بتوصیف سنجرے در مدح سفت
دو صد گنج گوهر نه بار داشت (ق) — میسر شدش هر که در کار داشت
ظهوری ز برهان شه نام جوی — با قطاع جاگیر شد کام جوی
تو چون شاه محمود من عنصری — توجه هر شناس من جوهری
بحال من الطاف بسیار کن — دهانم پر از در شهوار کن
کنم گرم در نظم هند گامه را — رسانم به شهنامه این نامه را
بلطف خودای بحر جود و کرم — زبانی دگر ده بمن چون قلم
چو بخشی زبانم شوم قصه خوان — بنظم آورم چار صد داستان

شائق کی مثنوی کے مطالعہ سے فردوسی کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ رودکی، فردوسی

عنصری، معزی اور ظہوری کے کلام کا رنگ شایق کے ہاں جا بجا نظر آتا ہے "مثنوی در بارہ کشمیر زبان"، بھی اسی انداز میں لکھی ہے شاعر نے اس میں کشمیریوں کے خصایل اور ان کی زبان پر طویل مثنوی منظوم کرکے اہل وطن کی ترجمانی کی ہے۔ ماہیت شعر کو سمجھنے کے لئے اس مثنوی کے چند اشعار قابل ملاحظہ ہیں۔

- زبانی کہ دارند کشمیریان — بتوفیق و تجنیس دارد قرآن
  خیالات شان نازک است و لطیف — نہ ہزل است حدش بدان ای رفیق
  ولیکن بہ پیش سخن پروران — کہ متبند در فرس صاحب زبان
  بود معنی بیت در اصطلاح — بدینسان کہ گفتند اھل صلاح
  کلا میست موزون کند شاعرش — درو قافیہ باشد ای خورده بین
  کہ از قصہ موزون کند شاعرش — کہ مضمون آن ہست در خاطرش
  چو بی قافیہ ہست موزون کلام — نہ نظم آن نہ نثر است ای ذی ہمام

شایق کا قدما کی پیروی کے باوجود اپنا ایک خاص انداز ہے جو سخن سرائی میں ان کی انفرادیت کا غماز ہے مثلاً:۔

- بحق ہر کہ سودا کند سود اوست — ندارد زیان جملہ بہبود اوست
  سودای عشقش برد سود کس — ہمیں مایہ اصل سود است و بس
  بسودای دنیای دون دل مبند — گرفتار این دام باشی تو چند
  تو برہم چرا سیم و زر می نہی — بیابی عوض وہ اگر یک دہی
  بود اصل گوہر زیک قطرہ آب — دلی در نظر می نماید سراب
  بد اصل دنیا ارت نقش بر آب — کہ گرود بیادی بیکدم خراب

باین گوهر دلبر بادل مپیچ — که این عقده گر وا کنی نیست هیچ

یا

راستان را گر بزر الفت بناشد بهتر است — چون الف بازر شود پیوسته نقش آذر است

اعتماد هستی موهوم کردن ابلہی ست — چون گذارد کس قدم بالای ظل پل درآب

چکوں نے کشمیر پر تقریباً تیس سال تک حکومت کی شمس چک کے زمانے میں غازی خان اور میرزا معالی نے کتنی بار کشمیر کا تخت حاصل کرنے کے لئے آپس میں لڑائیاں لڑیں ان واقعات کو شائق نے نہایت روانی و سلاست کے ساتھ بیان کیا ہے اور فردوسی کی طرح رزم و بزم میں اپنی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔

ملک شمس را رو بی پیش کرد (ق) — مداوای زخم دل ریش کرد

بیاراست لشکری کارزار — زریگ بیابان فزون در شمار

نہ لشکر کہ طوفان پیدا بود — ز سر تا قدم کوہ فولاد بود

زہر قوم همراه او فوج فوج — چو دریای جوشنده آید بموج

ز اقبال پر زور ہمچو جبال — بسی کوہ و صحرا شدہ پائمال

زدہ پیل پہلو بکوہ متین — جبل در خرام آمدہ بر زمین

مناسب فتادہ است ابیات کلیم — کہ در شاعری داشت طبع سلیم

چو فیل جبال آشکارا شود — قیامت بگیتی ہویدا شود!

غازی خان کی میرزا معالی سے جنگ :۔

سحرگاہ چون شاہ انجم حشم — برافراشت از شرق زریں علم

چو در پنجہ بگرفت رخشاں سنان — بپاشیدہ از ہم صف اختران

شدہ از شفق سرخ نیلی تتق — مگر موج لشتہ خون فستق
شدند آن دو لشکر مقابل بهم — میان بستہ تنگ و کشادہ علم
ز یک سوی مرزا معالی بجنگ — بمیدان صف ارا شدہ بیدرنگ
ز فوج قزلباش و ترکان دگر — بیارا راست پیش و پس آن نامور
ہم از ہندیان از یمین ولیار — زرہ پوش گردان چو آہن حصار
ز دیگر طرف غازی شیر دل — قوی ہیکلی داشت زہرہ گل
برآراست غازی بصد خشم و کین — پس و پیش قلب و بسار و یمین
مقابل جو گشتند باہم یلان — گریزان شد آندم حیات از میان

شائق نے اپنی شاعری سے کشمیری کلچر کو زندہ کرنے کی کوشش کی ہے اور یہاں کے مراسم رسم و رواج اور محلی داستانوں کو فارسی میں نظم کر کے زندہ جاوید بنا دیا ہے "یادن" کشمیر کی ایک محلی داستان ہے جس کے معنی "جوانی" ہیں اس زمانے میں یہ داستان مقامی حلقوں میں خاصی مشہور تھی۔ شائق نے اس داستان کو پہلی بار فارسی میں نظم کیا ہے۔

- روان گشت آن یادن پرفتن — بصد مکر فن سوی آن برہمن
بہ بتخانہ، ادرسید آن سنم — کہ در کار زاہد کند یک دو دم
بخادم گفت از سر انکسار (ق) — کہ ہمدم زاہد نامدار
مرا نام آن یادن پرفتن (ق) — کہ عالم بشاہ و گدا روشن است
ہنم فتنہ انگیز آخر زماں — زمن آفت و فتنہ ہا در جہان
چہ فتنہ کہ در کشور انگیختم — چہ خونہا کہ از بیدلان ریختم
بسی عابدان را ربودم ز جای — بسی سرکشاں را فگندم زپای

کنوں دَرد من سوی دامن گرفت   پچہ جذب خدایم گریبان گرفت

شائق مثنوی گو شاعر تھے اور مثنوی میں ایرانی مثنوی نویسی کے سبک و انداز کا رنگ ان پر غالب نظر آتا ہے خاص طور پر فردوسی کے تو بعض اوقات مصرعوں کے مصرعے ان کے ہاں دیکھنے کو ملتے ہیں ان کے متذکرہ بالا مجموعہ کلام میں چند ایک قصاید، غزلیات کے کچھ بکھرے ہوئے اشعار اور کچھ قطعات اور منظوم تاریخیں بھی ملتی ہیں لیکن مثنوی میں ان کی مہارت مسلم ہے ان کے سبک و افکار اور احوال و آثار کا مکمل جائزہ لینے کے لئے تحقیقی نقطۂ نظر سے ابھی تک ہماری معلومات ناکافی ہیں امید کی جاتی ہے کہ آیندہ اس تشنگی کا ازالہ ہو سکے گا اور شائق کشمیری کے احوال و آثار پر مکمل معلومات مرتب ہو سکیں گے۔

جدید ایرانی زبان و ادب

ایک مختصر تعارف

جہاں تک جدید ایرانی ادب کا تعلق ہے اس کو دو واضح حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ہم اپنی آسانی کے لئے ایک کو تخلیقی ادب اور دوسرے کو منقولی ادب کا نام دیں گے۔ تخلیقی ادب میں شاعری، افسانہ، ناول اور ڈرامہ وغیرہ شامل ہیں اور منقولی ادب ترتیب متون اور غیر زبانوں سے ترجموں پر مشتمل قرار دیا جاسکتا ہے۔ آج کے ایران کے ادب کے شعبہ میں بڑی تیزی سے کام ہو رہا ہے وہاں کا بڑے سے بڑا ادیب مترجم بننے میں اپنے لئے کوئی عار نہیں سمجھتا اور نہ ہی لوگ کسی مترجم کو ایک کمتر ادیب کی حیثیت سے دیکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ دنیا کی تمام زندہ زبانوں سے برابر فارسی میں ترجمہ کیا جارہا ہے اور شاید اب مشکل ہی سے کوئی ایک ایسا موضوع رہا ہے جس پر فارسی زبان میں اعلیٰ پایہ کی غیر ملکی کتاب کا ترجمہ نہ کرلیا گیا ہو۔ اسی

طرح ترتیب متون کا کام ہے جس کو وہاں کے اعلیٰ پایہ کے ادبا اور دانشمند انجام دے رہے ہیں اور قدیم زمانوں کی نظم و نثر کی تصانیف مرتب ہو ہو کر برابر شایع ہو رہی ہیں۔ اس منقولی ادب کی گرم بازاری کے باوجود وہاں پر تخلیقی ادب کے سوتے خشک نہیں ہوئے ہیں افسانہ، ناول اور ڈرامہ تو جدید ایران کی دین ہے۔ شاعری جو کہ دنیا کی اور قوموں کی طرح ایرانیوں کا قدیم ترین فن ہے وہ آج بھی ایرانی معاشرے میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھی جاتی ہے ایرانیوں کی شاعرانہ حس آج بھی زندہ و تابندہ ہے جس کی جھلک وہاں کی آزاد نظموں اور کبھی کبھار نظر آنے والی غزلوں میں دیکھی جا سکتی ہے اچھے اشعار اور منتخب ادبی جملے موقع و محل کے لحاظ سے استعمال کرنا ان کی تہذیب میں آب بھی مستحسن خیال کیا جاتا ہے۔ برجستہ شعر کہنا ہر پڑھے لکھے ایرانی کا طرۂ امتیاز ہے لیکن پھر بھی ان کے معاشرہ میں شاعر ہونا کوئی آسان بات نہیں سمجھی جاتی۔ حالانکہ ہر ایرانی کی رگ رگ میں شعریت پیوست ہے۔

ایران کے مقامی لہجوں اور خود فارسی دری پر جدید فارسی یا فارسی مدرن کی گہری چھاپ ہے اور جو شخص جدید فارسی سے واقفیت نہیں رکھتا اس کو ایران میں بہت سی مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور وہاں کے مقامی لہجوں میں تہرانی اصفہانی، شیرازی اور مشہدی بولیوں کی خاص اہمیت ہے۔ ان چاروں میں بھی شیرازی بولی کا لہجہ بہت واضح اور فصیح ہے اور غالباً اس کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ شیراز ہمیشہ سے ایرانی کلچر کا صدر مقام رہا ہے

جدید فارسی کو غیر ملکی زبانوں کی اصطلاحات سے بہت حد تک پاک کر دیا

گیا ہے بالخصوص عربی اصطلاحات کو تو دیس نکالا دیدیا گیا ہے۔ "وزارت فرہنگ وہنر ایران" نے بھی بہت سی کتابیں اس موضوع پر شائع کی ہیں جن میں عربی کی فنّی اور علمی اصطلاحات اور مشکل الفاظ کے فارسی متبادل دیئے گئے ہیں اور یہ کام اب بھی جاری ہے اس کے ساتھ ہی ساتھ فارسی امروز کے تلفظ میں نمایاں اور واضح فرق اور تغیر و تبدل ہوا ہے چنانچہ جدید فارسی سے معروف و مجہول کی بحث کو خارج کر دیا گیا ہے۔ ہندوستان میں واؤ کی تین واضح صورتیں نظر آتی ہیں پہلی صورت میں واؤ کی صدا طویل ہوتی ہے جیسے "نُور" اس کی مثال انگریزی کے لفظ Soon Noon اور Moon میں ملتی ہے۔ واؤ کا دوسرا استعمال "زور" (طاقت) سے واضح ہوتا ہے زور میں واؤ کی صدا اس طرح کھلی ہوتی ہے جس طرح انگریزی لفظ Shore, یا ROAR وغیرہ کی صدا ۔ واؤ کا تیسرا پُرانا استعمال "ور" میں پایا جاتا ہے جیسے "دوڑ" ۔ "دور" میں واؤ کی صدا کی گولائی الفاظ Shop, Rock, Shock یا More وغیرہ میں واؤ کی صدا سے ملتی ہے۔

فارسی امروز میں "واؤ مجہول" کے آخر الذکر دونوں استعمال قطعی طور پر ترک کر دیئے گئے ہیں۔ اب زور کو زُور، گوش کو گُوش، جوش کو جُوش پڑھا اور بولا جاتا ہے۔ اسی طرح کلاسیکی زبان میں "یائے" (ی ے) کے تین استعمال نظر آتے ہیں۔ پہلی صورت میں "یائے" اپنی طویل صدا میں لفظ "پیر" سے سنائی دیتی ہے جیسے انگریزی لفظ Sheet, Seat یا Meet وغیرہ میں ڈبل۔ ای EE کی صدا۔ "یائے" کی دوسری صورت "سیر" نظر آتی ہے جیسے انگریزی لفظ Rate, Gate اور وغیرہ میں اے a کی صدا۔ یای کا تیسرا استعمال لفظ "میر" سے واضح ہو جاتا ہے

یای کی یہ گولاتی انگلش کے لفظ Bat اور Cat, Fat وغیرہ میں اے " a " کے تلفظ سے ملتی ہے واؤ مجہول کی طرح بولی جانے والی فارسی میں یاے مجہول کا استعمال بھی اب ختم کر دیا گیا ہے۔ اب مَیز کو میز، تیر کو تیز اور شِیر وشیر دونوں کو شیر ہی کہا جاتا ہے۔

قدیم فارسی میں اکثر الفاظ "نون" (ن) کے اعلان کے بغیر پڑھے جاتے تھے مثلاً آں، ایں، چناں، چنیں وغیرہ۔ موجودہ بولی جانے والی فارسی میں الفاظ کے آخری (ن) کا ہمیشہ اعلان کیا جاتا ہے اب حیراں، پریشاں، سرگرداں، آویزاں جاناں وغیرہ کے بجائے حیران، پریشان، سرگردان، آویزان، جانان، آن و این پڑھتے اور لکھتے ہیں۔

آجکل بولی جانے والی فارسی میں "الف" (ا) کا تلفظ بھی غور طلب ہے۔ عام طور پر اگر الف "م" اور "ن" سے پہلے آجائے تو وہ واؤ میں تبدیل ہو جاتا ہے چنانچہ دوکان، نان، بام، شام، جان، شان، آن، بان وغیرہ کو ــ کون، نون، بوم بام، جون، شون، اون، بون بولتے ہیں۔

ہندوستان میں (ہای) "ہ" مختفی کو عام طور پر "الف" (ا) پڑھا جاتا ہے۔ جیسے مُردہ کو مردا، کردہ کو کردا، رفتہ کو رفتا کہا جاتا ہے۔ فارسی امروز میں آخری ہاے مختفی یا ہاے غیر ملفوظ کو EH سے تلفظ کرتے ہیں مثلاً مردہ مُردِہ، خانہ کو خونہ خانِہ، آمدہ کو آمدِہ، رفتہ کو رفتِہ کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ سہ حرفی الفاظ کے آخری "ع" کا تلفظ بھی جدید فارسی میں قابل توجہ ہے جیسے شمع، جمع، وضع، قطع، کی "عین" کو ہمارے ہاں کی طرح الف نہیں پڑھا جاتا ہے بلکہ (ع) کو تلفظ میں حذف

کر دیا جاتا ہے چنانچہ شمع کو شم جمع کو جم' وضع کو وض قطع کو قط پڑھا جاتا ہے حرف (ق) کو عموماً (غ) اور (غ) کو (ق) پڑھتے ہیں چنانچہ قدم، قربان، قریب، قرن، قریش وغیرہ کو غدم، غربان، غریب، غرن، غریش اور غذا کو قذا، غرض کو قرض اور غرق کو قرغ کہتے ہیں لیکن یہ فرق آباد ان اور اصفہان میں دوسری شکل اختیار کر لیتا ہے اصفہان میں "ک" کو (چ) کی صورت میں استعمال کرتے ہیں مثلاً کہ کو چہ کوچہ کوچہ، کمک کو چمچ، کند کو چند گندم کو چنم، کار کو چار اور اکبر کو اچبر (اللہ اچبر) تلفظ کرتے ہیں بعض اوقات اضافت کو حذف کر دینے یا اضافت لگا دینے سے معنی بالکل بدل جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر دختر خانم کنواری لڑکی کو کہتے ہیں اور دختر خانم سے مراد کسی عورت کی لڑکی ہے پسر بقال اور پسر بقال بھی اسی قسم کی مثال ہے۔ ایسی ہی کچھ اور ترکیبات واصطلاحات (برخلاف ہندوستان) جدید فارسی میں اضافہ کے ساتھ کچھ بغیر اضافہ پڑھتے ہیں۔

قدیم فارسی میں جانداروں کے ساتھ "آن" اور بے جان چیزوں کے ساتھ "ہا" کے اضافے سے جمع بناتے تھے موجودہ فارسی میں یہ خیال نہیں رکھا جاتا۔ چنانچہ مردہا، زنہا، بچہ ہا، سربازہا، درختہا، گلہا، سنگہا وغیرہ میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ ضمائر کی جمع بنانے کا بھی عام رواج ہے جیسے (ما) ماہا، شماہا، اسی طرح سیخکبابہا وغیرہ جیسی جمعیں بھی عام ہیں فعل میں تسلسل کے لئے داشتن کا بھی استعمال بہت زیادہ کیا جاتا ہے۔ مزید برآں ضمیر "ش" کا استعمال بھی بڑا دلچسپ ہے جیسے .... نشستیش ...... پیدائش ...... بودش ...... یا فعل کے تسلسل کے لئے .... دارم ...... داشت ...... دارد وغیرہ۔

ہمزہ اور زیر (٭ ٔ ِ) کے استعمال میں بھی تبدیلی ہوتی جارہی ہے مثلاً عام طور سے جن الفاظ کے آخر پر "ہائے مختفی (ہ) ہو اُن پر ہی ہمزا (ٔ) لگاتی جاتی ہے۔ اور جن الفاظ کے آخر پر (ي) ہو اُن پر (٭) کے بجائے ڈبل یی (يی) سے کام لیا جاتا ہے اور ي اور ٭ کا استعمال یوں کیا جاتا ہے گوئی کے بجائے گویی۔ آئی کے بجائے آیی، جاتی کے بجائے جایی وغیرہ ـــــ کبھی کبھی (ِ) پر (٭) کی جگہ (ای) بھی استعمال کرتے ہیں۔

خارجی زبانوں بالخصوص فرانسیسی، ترکی، روسی، اٹالیاتی اور انگریزی کے مفرّس الفاظ کے استعمال کے علاوہ جدید فارسی میں ایک بڑی تعداد ایسے بولے جانے والے الفاظ کی بھی ہے جو اپنے قدیم معنی سے بہت زیادہ دور نظر آتے ہیں اس تغیّر مفہوم کا سبب بھی موجودہ وقت کی نئی نئی ضروریات ہیں۔

افغانوں کے ملک الشعرا

ملّا محمّد توفیق کشمیری

محمّد توفیق کا تولد ۱۱۰۸ھ مطابق ۱۶۹۴ء میں سرینگر میں ہوا۔
اور ۱۱۹۷ھ مطابق ۱۷۸۵ء میں کشمیر پر افغانوں کے تسلط کے
تینتیس سال بعد انتقال کیا۔ [۱]

ان کا تعلق جڈو قبیلہ سے تھا۔ توفیق نے یہیں رہ کر تعلیم و تربیت حاصل کی اور اپنے شعری ذوق کی تکمیل کی۔ توفیق میں شعری ذوق خداداد تھا اور شروع جوانی سے ہی فارسی شعر و شاعری میں طبع آزمائی کرتا تھا شروع شروع میں ملّا ساطع کشمیری سے اصلاح لی اور بعد میں محمد رضا مشتاق سے فنون شعر میں تربیت حاصل کی ان کے ادبی ذوق کا خمیر جب پختہ ہو گیا اور شاعری کے رموز و ضوابط سے بہرہ ور ہوئے تو ان کے ہم عصر شعرا اور ادبا کا

ان کے ہاں ہجوم رہنے لگا اور توفیق تھوڑی ہی مدت میں خاصے مشہور ہو گئے شاعرانہ مناظروں اور ادیبانہ مباحثوں میں ان کو خاص طور پر بلایا جانے لگا اور اپنے اساتذہ ملا ساطع اور مشتاق کشمیری کے ہمدوش بیٹھنے لگے۔ اسی عرصہ میں کشمیر کی نظامت مغلوں سے افغانوں میں منتقل ہوئی اور فارسی زبان و ادب کی روایت کو ایک سیاسی انتشار سے دوچار ہونا پڑا، لیکن فارسی ادب کی یہ خوش قسمتی رہی کہ مغلوں کے بعد کشمیر پر قابض افغانوں کی مادری اور سرکاری زبان بھی فارسی ہی تھی اور پھر افغان نظامت میں انہیں سکھ جیون مل جیسے حکمران بھی ملے جنہیں فارسی زبان اور شعر و ادب سے خاصا شغف حاصل تھا جیون مل نے نظامت کشمیر سنبھالتے ہی یہاں کے فارسی گو سخنوروں اور ادیبوں کی ایک نشست منعقد کر کے "انجمن شعرای فارسی" کا قیام عمل میں لایا۔

اور انہیں شاہنامہ کشمیر لکھنے کے لئے متعین کیا۔ اس کام کے لئے جیون مل نے سات معروف شعرا کا انتخاب کر کے ہر شاعر کو اس کام میں دس دس منتخب شعرا کی نگرانی کا کام سونپا گیا اور ان تمام کی سرپرستی اور رہنمائی کے لئے ملا محمد توفیق کو ملک الشعرا مقرر کیا۔ ۱؎ ان سات شعرا میں ملا محمد توفیق معروف بہ لالہ جو کشمیری کے علاوہ ملا محمد رفیع محمد علی خان متین، محمد جان بیگ سامی رحمت اللہ بانڈے نوید ملا راج کشمیری اور عبدالوہاب شائق ہیں ان میں سے ہر ایک کے ذمہ الگ الگ ادوار تھے اور ہر ایک کی مدد کے لئے دس دس شعرا مقرر تھے چنانچہ کشمیر میں مسلم سلاطین کی پوری تاریخ کے کسی بھی دور میں فارسی شعرا کی

اتنی بڑی انجمن نہیں ملتی۔ جہاں باضابطگی کے ساتھ شعرا اور ادبا کی درباری سرپرستی ہوتی اور انہیں کسی ادبی و تاریخی کام پر مامور کیا گیا ہو۔ لیکن اس کے کچھ عرصہ بعد ہی سُکھ جیون مل کی دردناک حراست کی وجہ سے اِس انجمن کا شیرازہ پھر سے بکھر گیا اور ایک اہم کام نامکمل رہا ملا محمد توفیق اِس نازک گھڑی میں بہر حال ملک الشعرائی کے فرائض انجام دیتے رہے اور اپنے چند ساتھیوں کے سمیت شاہنامہ نویسی کا قابلِ قدر کام بھی کیا لیکن افغانوں کے سیاسی انتشار اور ان کی لوٹ کھسوٹ کا اثر یہاں کی زندگی کے ہر شعبہ پر پڑا چنانچہ ادب بھی اس سے متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکا اور شاہنامہ کشمیر جو توفیق کی نگرانی میں جس قدر لکھا گیا تھا متفرق اور بے ربط صورتوں میں مختلف تحقیقی اور علمی اداروں میں بکھرا ہوا پایا جاتا ہے۔

ملا محمد توفیق کی مثنوی "احوال ملک کشمیر" کے علاوہ ان کے آثار میں قصاید غزلیات، رباعیات، متفرق نظمیں اور بحر طویل میں اشعار شامل ہیں ۔ مثنوی "احوال ملک کشمیر" قریب قریب بیس ہزار اشعار پر مشتمل ہے اور کشمیر کے حالات پر مستند تاریخ سمجھی جاتی ہے۔

ملا محمد توفیق سبک و شعر میں سبک ہندی کا پیش رو شاعر تھا لیکن غزلیات میں توفیق حافظ شیرازی، صائب تبریزی، مولانا جامی اور کلیم کاشانی سے متاثر نظر آتے ہیں اور اپنی بیشتر غزلیات میں متذکرہ شعرا کی پیروی کی ہے ہم یہاں پر اختصار کے ساتھ توفیق کے کلام کی چند ایک مثالیں جایزہ کی غرض سے پیش کرتے ہیں تاکہ ملک الشعرا ملا محمد توفیق لالہ جو کی شاعرانہ شخصیت اور عظمت

ان کے کلام کی روشنی میں مرتب ہو سکے۔

امثال کلام :۔

- فغان دردمندان یافتم دار جاودانی — سپند آسا بدنبال فغان خویشتن رفتم[1]
- دریا ذرلف بت کشمیر نژادی — شد تار سر و مار سر از گریہ دو چشم[2]
- تیرت از سینہ من دل زدہ آید بیرون — ہمچو آنکس کہ زماتم کدہ آید بیرون[3]
- بینی و چشم و ابروی تو ای سیم اندام — شاخ بادام، دو بادام، دو برگ بادام[4]
- می دہد توفیق داد عاشقان آخر فلک — خاک اگر امروز زیر پاست فردا بر سر است[5]
- سرورا جای تعجب نبود سایہ تو — خویشتن راگر از اہل نظر پنہان کرد
- بادشاہ دو جہانی او زمین بوس ترا — آن شرف نیست کہ خود را گم از آن نتوان کرد
- رسیدہ بود بدان کار سروا کہ شود — جہان بدہ مردم زدو دکفر سیاہ
- کہ آمدی پی اطفای آن زمحفل قرب — بدان شتاب کہ وا ماندہ سایہ ات در را[1]
- می سر د فتنۂ دوران شدت ای کافرا — کہ ترا پشتی بانی است جو کاکل بر سر[2]
- ساخت آئینہ وا این نکتہ پیشش زدہ نفس — دھر صد خانہ کند از پی یک خانہ خراب[3]

اوپر دیئے گئے اقتباس کے پہلے شعر کا پہلا مصرعہ لفظاً "دار" دوسرا شعر مکمل وزن سے خارج نظر آتا ہے اسطرح شعر میں "بیرون" کا مختلف استعمال وزن شعر کے لحاظ موزون نہیں ہے پھر چوتھے شعر میں پہلا مصرعہ وزن سے گرتا ہے اسمیں یا تو لفظ "بینی" سے پہلے کوئی موزون اور متعلقہ ادر یا پھر "بینی چشم" کے بعد صرف "و" کے بجائے لفظ "تو" آنا چاہیئے۔ ہمارے خیال میں یہ کتابت کی لغزش ہو سکتی ہے یا پھر مخطوط شناسی کا فرق ہو سکتا ہے۔ نیز "تار سر" اور "مار سر" کشمیر کی دو بلند ترین (سطح کے لحاظ سے) جھیلوں کے نام ہیں۔

- طور و طرز نگہ عشوہ پسندش بنگر — راہ مردم زدن چشم کشندش بنگر
نازنینش باھمہ موزونی اعضادر باب — استخوان بندی مصراع بلندش بنگر
غمزۂ ناوک ابرؤی کمانش دیدی — چشم عیار بلبین زلف کمندش بنگر
دل بہ گیسو چہ دھی اد پی کاکل چہ روی — حال توفیق پریشان و نژندش بنگر ؎

شیخ سید عبد القادر جیلانیؒ کی شان میں توفیق کی ایک طویل منقبت ملتی ہے منقبت کا انداز پختہ، رواں اور مولانا جامی کے انداز بیان سے ملتا ہے منقبت کے درج ذیل چند اشعار ملاحظہ ہوں ۔

- من کہ از چشم حقارت سوی بی سامانیم — آن گدایم کہ نباید در نظر سلطانم
گر بگردوں می فروشد کردہ حاکم بجاست — در بسر دارد ضرور کیمیا خاکم بجاست
خاطرم توفیق از بیداد دور آسماں — ما نئے میخواست کان نبود میسر در جہان
یافت بختم راہ در برج سعادت ناگھان — کز عنایت او لطف بی نشان آخر نشان

توفیق کے رنگ میں غالب کی یہ فارسی غزل کس قدر مماثل نظر آتی ہے جس کے مطلع کے یہ دو شعر ملاحظہ ہوں ۔

- بیا د جوش تمنای دیدنم بنگر — چو اشک از سر مژگان چکیدنم بنگر
ازمن بجرم تپیدن کنارہ میکردی — بیا بخاک من و آرمیدنم بنگر

ملا توفیق کشمیری اور اسد اللہ خان غالب دہلوی دونوں ہم عصر شاعر ہیں اور یہ بات ابھی تک تحقیق کی رو سے واضح نہیں ہو سکی ہے کہ اس انداز فکر اور بیان میں کس نے کس کی پیروی کی ہے ۔

• می چلد فتنہ دوران شدت ای کافر سوزم دکاھم ودرد تبم چون اخگر
یافتم در خم زلفت چو دل خود دیدم چلد گر دید کمان اجل و من غافل [۱]

• ز عالی ہمتی بر ہر چہ از دنیا نظر کردم بسان مہر از وی در نظر کردن گذر کردم
فرید وقتم و کام ز مرگ کام شد حاصل شکر را خاک کردم خاک را دیگر کردم [۲]

جیسا کہ ہم اُوپر ذکر کر چکے ہیں کہ توفیقؔ نے حافظ کی شیریں کلامی سے خاصی حد تک فائدہ حاصل کیا ہے اور انکے انداز بیان کو اپنانے کی سعی بھی کی ہے صاحب ذوق حضرات اس کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ توفیقؔ اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں حافظ کے رنگ میں توفیقؔ کے اشعار ملاحظہ کیجئے۔

• دوش بر عشق چون سیماب براتم دادند نقد آرام گرفتند و حیاتم دادند
گل رسوای تو می مالسیدم [۲]۔ من ھمان روز کہ تشریف حیاتم دادند
کردندام و زمر اشلخ نباتی توفیق بنیست غم خانہ شیرین حرکاتم دادند [۳]

(یا)

• جہان خاک خرابات خوحم خوش کردیم خور دا ینجا دل ما ب و فروکشی کردیم
جگر تاب وے تب ما دل این خاک نداشت خاک دگر ز خود ایجاد چو آتش کردیم [۴]
وغیرہ

سکھ جیون مل کی معزولی کے بعد یہ تمام شعرا بھی بے خانماں بربادی اور پریشانیوں کا شکار ہوئے امن و سکون کی فضا اور ادبی ماحول جاتا رہا چنانچہ ان شعرا کی قدر

دانی نہ ہوئی اور بہ گوشہ گمنامی اور کس مپرسی میں کھو گئے ان ایام میں توفیق بھی مفلوک الحال ہو چکا تھا اور بیکسی کے دن گذار رہا تھا توفیق کے کلام سے ان حالات اور اس پر گذرنے والے صدموں اور حادثات کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے خاص طور پر وہ اپنی بیکسی اور شوقِ سخن کا اس طرح اظہار کرتا ہے :-

- نہ بازرگان نہ شہ نہ مال دارم — یکی از عاشقان جان سپارم
بود گر در بساطم مالی ای جان — ہمیں عشق است آنہم از تو دارم!
صبا گر دی کہ از کوی تو آرد — بہ از صد گنج یاد آور شمارم
درین دشت آن غریب بیکسم من — کہ کس جز آسمان بر سر ندارم
نہ زان سان خواستم در جستجویت — کہ گرد م خاک و بشنید غبارم
بتصدیع کسی راضی بنودم اے — شکستند از چہ مانند خمارم
چنان سودای زلفت ہوش بردار — کہ پنداری کہ شخص سایہ دارم

یا جیب ناصحانہ انداز میں دلیل کے طور پر کہتا ہے :-

- صبح چون روز شود خفاش گردد تیرہ روز — زشتئ اقبال نیکوان دلیل شامت است

مثنوی گوئی میں ملا محمد توفیق فردوسی سے خاصا متاثر نظر آتا ہے اور مثنوی میں فردوسی کا رنگ اس پر اتنا غالب رہا ہے کہ "شاہنامہ فردوسی" اور توفیق کی مثنوی "احوال ملک کشمیر" انداز بیان، سلاست، روانی اور واقعہ نگاری چہ رزم چہ بزم کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ یہاں پر توفیق کی مثنوی کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں

چنین کرد استاد رنگین سخن — گل رفتہ را باز زیب چمن
کہ چوں گشتہ کشمیر بار دگر — بفرمان یوسف شہ نامور

دل مردم شہر وده کرد شاد — بجور وبه بخشش بعدل وبداد

رسوم ستمهای شاهان پیش — بهم برزدن ساخت آئین خویش

(یا)

• زبس فرش قالین ایران شده — فضای زمین نقش میدان شده

ززرین سر پرده های بتاب — همی کرد گم خویش را آفتاب

وغیره

اسیطرح صائب تبریزی کی غزل پر توفیق کی ایک مخمس بھی شاعر کے مہارت فن کی دلیل ہے۔

• نیست کس از کس ز لطف کم ببرگ سازها — گر همه مور است دارد بر سلیمان نازها

پشهٔ ناچیز استغنا زند بر بازها — ای ترا در سینه هر زره پنهان رازها

خامهٔ صائب همان در پرده دارد رازها

وغیره

توفیق کے خواجہ حافظ کی غزل پر طویل مخمس کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے :

• دل شد از دست ای عزیزان الغیاث — کار ما افتاده بر جان الغیاث

الغیاث از درد هجران الغیاث — درد ما را نیست درمان الغیاث

هجر ما را نیست پایان الغیاث

وغیره

ملا محمد توفیق نے کلیم کاشانی اور مولانا جامی کی غزلیات پر بھی مخمس کہی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ توفیق کو مخمس گوئی پر صرف مہارت اور دسترس حاصل تھی بلکہ یہ صنف شعران کی مرغوب ترین تھی کلیم کی غزل پر توفیق کی

مسمط کے چند اشعار :-

• زخم غم افتادہ در دل کارگزار سوز شوق ! گشت دل خون کرد راہ دیدہ سر از سوز شوق
جوی خون دل شدہ مژگان تو از سوز شوق میدہد طغیان اشک ما جراز سوز شوق
گل بدامن بنگر واز خار ما مپرس وغیرہ

اسیطرح جامی کی غزل پر مخمس ؛- چہ دولت است کہ بر سر م النصیب آورد
بحکم زحم کہ بر جاں ما شکیب آورد سحر نسیم صبا مژدہ حبیب آورد
نوید مقام گل سوی عندلیب آورد

توفیق بنیادی طور پر غزل اور مثنوی کے شاعر تھے اور انہوں نے صرف تقلید پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ توفیق کا اپنا بھی ایک خاص انداز ہے جو سبک ہندی کا غماز ہے اور اسی انداز بیان و طرز سخن کی نیرنگی اور خیال آفرینی سے انہوں نے اس بزم سخن کو اپنی نادر الخیالی سے ایک رونق تازہ بخشی تھی توفیق نے ایک جانب غزل میں حافظ، صائب اور کلیم کی، شعلہ نوائیوں سے استفادہ کیا دوسری طرف وہ اپنے ہم عصر اور عظیم المرتبت شعرا مثلاً غنی کشمیری غالب دہلوی، ساطع کشمیری اور مشتاق کشمیری کے طرز سخن و انداز بیان سے بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور اسے زندہ و تابندہ رکھنے کی کوشش بھی کی۔ در حقیقت کشمیر میں بارہویں صدی ھجری میں جبکہ کشمیر مغل نظامت کی نظامت د نزاکت کھو کر، افغانوں کے تسلط اور انتشار کا شکار ہو چکا تھا۔ اور ان کی سختگیری نے زندگی کے ہر طبقہ کو پسپا کر رکھا تھا اور اس صورت حال میں فارسی شعر و سخن کی آبیاری اور سیرابی کرنا ملا توفیق کا مابہ امتیاز ہے۔

فردوسیِ کشمیر

ملا حمید اللہ شاہ آبادی

— ایک غیر متنزلزل شاعر، نقاد اور طنز نگار

چو بلبل بیا در گلستان من　　　چو طوطی بخوان شکرستان من
ہمہ گفتۂ من ز نو تا کہن !　　　بہ عمق نظر بین سخن در سخن

کشمیر میں فارسی مثنوی گوئی کے آخری اور سب سے بڑے شاعر ملا حمید اللہ حمید شاہ آبادی ہیں جنہیں ہم فردوسیٔ کشمیر بھی کہہ سکتے ہیں۔ مولوی حمید اللہ حمید بن مولوی حمایت اللہ برنگوی کا شمار اس دور کے برگزیدہ فارسی علماء اور شعراء میں ہوتا ہے۔ ان کا تولد برنگ کوٹھار میں ۱۱۸۴ھ (مطابق ۱۷۸۸ء) میں ہوا۔ حمید کے والد مولوی حمایت اللہ اس زمانے کے جید علماء اور فضلاء میں سے تھے اور بالخصوص عربی اور فارسی کے بڑے عالم تھے۔ حمید نے ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد سے ہی حاصل کی اور بعد میں اپنی

صلاحیت واستعداد کی بدولت فارسی ادبیات کی ترویج وتشویق میں کارہائے نمایاں انجام دیتے جواب تک کشمیر کے فارسی ادب میں اِن کی نمایاں یادگار کے طور پر باقی ہیں۔ آخری عمر میں ملا حمید اللہ برنگ اچھ بل دکوٹھار) سے ڈوروشاہ آباد داسلام آباد) چلے آئے اور عمر کے آخری ایام تا دمِ واپسیں انہوں نے یہیں پر بسر کیے۔ ان کا انتقال شاہ آباد میں ۱۲۶۴ھ مطابق ۱۸۴۸ء کو ہوا۔

مولوی حمید اللہ حمید کے منظوم آثار میں "اکبر نامہ" "شکرستان"، "چای نامہ" "ردِ شعیہ"، "بیبوج نامہ" اور نثری آثار میں "دستور العمل" اور "ناپرسان نامہ"، بہت مشہور ہیں۔ حمید کی اصلی شہرت "چای نامہ" کے بعد ہوئی ظہوری کے "ساقی نامہ" کا اس سے اچھا جواب اب تک شاید ہی کسی ہندوستانی فارسی شاعر نے لکھا ہو۔

حمید اللہ حمید کی مثنوی "اکبر نامہ" کا ایک جز راقم نے دوران تحقیق علی گڈھ کے کتابخانۂ تحقیقی مولانا آزاد لائبریری میں دیکھا ہے۔ اس میں اور کشمیر یونیورسٹی کی لائبریری میں محفوظ "اکبر نامہ"، کے نسخے میں کوئی فرق نہیں، البتہ علی گڈھ والے نسخے کی کتابت زیادہ صاف اور خوشخط ہے۔ اِن دونوں نسخوں میں مثنوی "اکبر نامہ" کا آغاز واختتام اس طرح ہوتا ہے۔ شروع کے اشعار یوں ہیں۔

- خدایا جہاندار اکبر تویی ، کرم گسترد بندہ پرور تویی
  ز دریای صنع تو گردوں حباب ، ز نورت کمیں ذرہ آفتاب
  در اظہار قدرت ز بالا و پست ، بہ ہر بود و نابود داری تو دست
  کجا عقل و ادراک ایزد شناس ، کند قدرتت را بقدرت قیاس
  اگر ذرہ را دہی التہاب ، شود ماہی صد ہزار آفتاب

مثنوی کے آخری اشعار دُونوں نسخوں میں یوں درج ہیں ؎

• بده ساقی ازچای جامی بہ من — بشکرانۂ اختتام سخن

کزان چای مقصود من رحمتست — همین چای ختم همه نعمت است

برحمت چو شد ختم گفتار من

الٰہی ۔ برحمت بکن کار من

"اکبر نامہ"، محمد شفیع رہگذر اور محمد ابراہیم خلیل کی تصیحح سے سنہ ۱۳۰۲ھ میں کابل سے شایع ہو چکا ہے۔ لیکن اس شایع شدہ نسخہ کی کوئی کاپی راقم کے پاس موجود نہیں اور نہ ہی راقم کی نظروں سے گزری ہے۔ البتہ "ادبی دُنیا" کے کشمیر نمبر میں اس کا حوالہ ملتا ہے کہ "اکبر نامہ کے آخر پر ابراہیم خلیل کے الفاظ یوں ہیں:

• "اکبر نامہ متضمن جنگ اُول افغانان با انگلیس را حمید کشمیری شاعر معاصر وزیر معالی سیر افغانستان محمد اکبر غازی اور سنہ ۱۲۶۰ھ سال قبل از وفات وزیر موصوف در کشمیر برشتۂ نظم کشید این کتاب ازجنبۂ معلومات تاریخ آنوقت وطرز قماش وسلاست بیان وحسن ادب وبدایع قابل قدر ...."

اور اس کے بعد حمید کی وفات سے متعلق یہ شعر بھی "اکبر نامہ" سے ہی نقل کیا گیا ہے ؎

• عزیزاز من گر کسی پرسدت — بگویش "به خلد بریں شد حمید"

۱۸۴۸ء/۱۲۶۴ھ

حمید نے ظہوری کے "ساقی نامہ" کے جواب میں جو "چای نامہ" لکھا ہے اس کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

ظہوری مگر چای نادیدہ بود	ازین وصف و راز پیچیدہ بود
بدہ ساقیا چای تا خیر چیست	بدہ تلخ گر شکر و شیر نیست
اگر جم ازین خم شدی جرعہ کش	غزالی شدی نبض افشار یش
ببینی کہ چون دیگ بق بق زند	تو گوئی کہ منصور انا الحق زند
اشارہ بود در کلام خدا	کلوا اسوی نان واشربوا سوی چا

حمیدؔ چائے کے اس قدر شیدائی اور شوقین تھے کہ انہوں نے مکمل "چای نامہ" لکھنے کے باوجود اپنے ہر نوع کے کلام میں چائے کا بڑی شد و مد سے ذکر کیا ہے ۔ اکبر نامہ میں ایک جگہ عاشقانہ رُخ اختیار کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں ؎

- خوشا دلکشا روزگار شباب	کہ وقتی منش دیدہ بودم بخواب
چہ مقبل کسی کو بود در کنار	بت نازنین لعبت گل عذار
دمی چای شیری بود نوش او	گہی یار گلرخ در آغوش او
نہد جملہ اسباب شاہی بہ پیش	بروز جوانی دہد داد عیش

"اکبر نامہ" کی تکمیل ۱۲۶۰ھ میں ہوئی ۔ اس سلسلے میں شاعر نے خود کہا ہے ؎

بمقدار دانش بہ صد اہتمام	ز غیرت بہ یک سال کردم تمام
چون این تیز فکرت بردن شد ز شست	ز ہجرت ہزار و دو صد بود و شصت

(۱۲۶۰ھ)

تذکرہ نگاروں نے متفقہ طور پر حمیدؔ کی مثنوی گوئی پر تقریباً ایک ہی قسم کی رائے قایم کی ہے کہ حمیدؔ اس عہد تک کشمیر میں فارسی مثنوی گوئی کے ابو الآباء ہیں ۔ حمیدؔ نے فردوسی کی تقلید

میں فارسی رزمیہ مثنوی میں وہ کمال دکھایا ہے کہ اس کا جواب نہیں ملتا۔" نامۂ رسان نامہ"، حمید کا ایک ہزلیہ شاہکار ہے اور بجای خود ایک کم نظیر مثنوی ہے۔ آگے چل کر ہم حمید کی تصنیفات پر الگ الگ بحث کریں گے، یہاں پر ان کی ایک مثنوی " اکبر نامہ" کا مختصر سا حصہ درج کرتے ہیں تاکہ حمید کی فن کارانہ صلاحیت سے کسی حد تک شناسائی ہو جائے اور یہ معلوم ہو کہ حمید کی مثنوی گوئی کا کیا انداز ہے۔

سکھوں کی ظالمانہ حکومت کے آخری ایام میں جب شیخ غلام محی الدین حاکم کشمیری عوام نے قدرے سکون کا سانس لیا۔ حمید نے شیخ موصوف کے عدل و انصاف اور دادگستری کا اس مثنوی میں یوں ذکر کیا ہے۔

- شبی چرخ را گفتم ای ترک مست — بتاراج و غارتگری تیز دست
بود روز و شب تا بیابان دُور — سرشت تو بیداد و رسم تو جور
نہ عہدت بود راست با ہیچ کس — نہ دور کجت راست با ہیچ کس
بدور جفای تو، گریاں سحاب — بتاب تف تست گرم آفتاب
بباد از تو بنیاد ہر خانہ ایست — خراب از تو ہر جا کہ ویرانہ ایست
درین روزہا بر خلاف قیاس — ز جور و ستم بینمت در ہراس
گذشتہ ز آئین و عہد نخست — باین کشور در درستی درست
اوضاع خود بر کران بینمت — بکف سبحۂ اختران بینمت
بکشمیریان مہربان چون شدی — ز خود گرگ بودی شبان چون شدی
کزین گونہ در خلق آسائش است — نشاط و طرب اندر آسائش است
تو دو این چنین کارہا ساختن — دغا باز و نرد دغا باختن

چو گر بہ تسبیح و تحمید و زہد | نمایان ز روی تو تقلید زہد
بگو وجہ تقلید و این مکر و فن | بہ پیرانہ سر راست کن این سخن
زد از صبحدم خندہ آسمان | بگفت! ای سخن سنج شیرین زبان
خدا را فراموش کن یاد من | سخن کم کن از جور و بیداد من
کہ شیخ جہاندار فریاد رس | ز اہل جفا پیشہ نگزاشت کس
ز جور از کسی فی المثل برد نام | چو خامہ زبانش کشیدہ ز کام
چو او حاکم و عادل و داد گر | من و ظلم و دیوانہ بودم مگر
بعہدش جہان زندہ و خرمی است | عجب بین کہ باشاہ جیلان سمی است
اضافت چو با محی الدین غلام | پذیرد شود نسبت نام تام
از و ملک کشمیر آباد شد | ز انصاف او معدن داد شد

مثنوی طویل ہے اور پوری تفصیل سے بھری ہے۔ مثنوی کے آخر کے چند اشعار یوں ہیں ؎

• دلیری کہ آموز و آداب جنگ | بار ژنگ و ہوشنگ و پور پشنگ
سخن رس ادا فہم و معنی نیوش | سراپا ہمہ عقل و فرہنگ و ہوش
چو شمشیر گیرد درفشی کند | چو زر میدہد گنج بخشی کند
بمردی و دانش عدیم المثال | بجود و سخاوہ کرم بی ہمال
نشیند چو بر مسند عدل و داد | رود خلق را عدل کسریٰ زیاد
گریزد بدانگونہ جور از میان | کہ در گور ضحاک ماند نہان
الٰہی بتوفیق انصاف و داد | بکن عمرش افزون و دولت زیاد

کہ تا روز و شب از قریب و بعید کنندش دعا خلق آمین حمید!

یوں تو رزمیہ میں حمید، فردوسی سے متاثر تھے لیکن ذاتی استعداد اور مہارت کے پیشِ نظر رزمیہ گوئی گویا ان کا فطری فن تھا۔ 'اکبر نامہ' کے سبب تالیف کے ضمن میں حمید نے تفصیل کو روا رکھا ہے، اس میں انہوں نے اپنی ساری تصنیفات کا ذکر بھی کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ عینی، بدر چاچی، خاقانی، سعدی، مولانا رومی اور فردوسی نامدار کو یاد کیا ہے۔ اسی کے ساتھ وہ کشمیر میں ایک شعری مجلس کا بھی ذکر کرتے ہیں جس میں کشمیر کے بڑے بڑے فارسی شعراء اپنا کلام سنا رہے تھے اور قدما کی مثالیں دے رہے تھے، حمید بھی اس مجلس میں شریک تھے اور نہایت انکساری کے ساتھ اساتذہ کا کلام سنا رہے تھے۔ کسی موقعہ پر حمید مسکرائے اور شعراء کے زورِ بیان کی داد دینا چاہی لیکن شاعروں نے ان کی مسکراہٹ کو پکڑ لیا اور طنز کے ساتھ للکار کر کہا تم جو اس قدر شیخی بگارتے ہو، اساتذہ کے نام گناتے ہو اور دوسروں کے اشعار سناتے ہو، دیہات سے آئے ہو، تم کیا جانو کہ شاعری کسے کہتے ہیں۔ فردوسی کی باتیں کرتے ہو، کجا راجہ بھوج اور کہاں گنگوا تیلی۔ حمید کے لئے یہ للکار ایک بڑے چیلنج سے کم نہیں تھی جس سے وہ عہدہ برآ ہوئے اور ایک طویل مثنوی 'جنگ نامہ'' لکھ کر پیش کی جو بہت سی صفات میں کسی بھی طرح عمدہ رزمیہ مثنوی سے کم نہیں۔ اس کی وضاحت تفصیل کے ساتھ آگے آئے گی، یہاں پر ہم وہ اشعار نقل کرتے ہیں جو حمید نے 'اکبر نامہ' کے سبب تالیف میں کہے ہیں: "دربیان تالیف اکبر نامہ" کے عنوان کے تحت وہ کہتے ہیں ؎

• مرا با بزرگان روشن نہاد شبی صحبتی اتفاق او فتاد

ازان هوشیاران بیدار مغز — همی خواند هر یک غزلهای نغز
ز الفاظ و اشعار شیرین و تر — شدی مغز شیرین تر از نیشکر
ز رنگینی معنی آبدار — شده بزم رنگین تر از لاله زار
همی خواند اشعار عینی کسی — به تعریف چشمی و با نرگسی
شد از بدر چاچی کسی شعر خوان — به تعریف روی کمان ابروان
که از وصف زلف شکن در شکن — همی شد مسلسل سخن در سخن
ز خاقانی و سعدی و مولوی — گهی شد غزل خوان و گه مثنوی
در آخر کسی گفت زان انجمن — که هیهات شد ختم اهل سخن
ندانم چه بود آن خجسته زمان — که بودند زینسان سخن پروران
درین عهد جهال شهر و دهات — به اشعار بی معنی و ترهات
دم از اوستادان عالی نهند — بخود نام صاحب کمالی نهند
ازین فرقهٔ نازک و پیچ پیچ — بجز شعر دزدی ندانند هیچ
ز اشعار تر آن یکی خشک مغز — به تعریف دزد و مضامین نغز
ز چوبی تهی گرچه پیکر بود — چو آن گوشت گر میش لاغر بود
دهد چوبی از لحیه جنبانیش — کند خوش بنادان بخوش خوانیش
چو با صنعت نازک مثنوی — که باید در او بود طبع قوی
سرو کارش افتد نیابد محل — به ناچار ماند چو خر در وحل
ازین بوالفضولان مغرور مست — که آرد (ح) در من کار دست
که نظمی بتعریف بزمی کند — ز نو داستانی به رزمی کند

چو این گفتگویش بگوشم رسید — بمغز از تف خشم جوشم رسید

بدو گفتم ای دوست آهسته باش — ز گفتار باطل زبان بسته باش

سخن هست کاهل نیست کس — چمن است مرغ چمن نیست کس

چو بر هیچ تخمی نیامد زمان — چرا این یکی تخم رفت از میان

خدا هر که را طبع موزون دهد — باد راک اوراک البته مضمون دهد

ز بالا مگر بسته شد جوی فیض — که گردد کسی از کس مدد جوی فیض

کجا خشک شد آب هر جویبار — که بر قطره دزدی رسید دست کار

ز چالاک طبعان شهری خموش — بگفتار ده باشی دار گوش

چو بلبل بیا در گلستان بین — چو طوطی بخوان شکرستان من

نگر در دو نشرم ز سر تا بپای — دگر ردّ شعبه و مدح چای

همه گفتهٔ من ز نو تا کهن — به عمق نظر بین سخن تا سخن

بگو در همه نظم سنجیده ام — کدامین سخن از که دزدیده ام

باین سستی طبع و ضعف دماغ — تو انم اگر باشد اندک فراخ

کشم ادهم طبع را تنگ تنگ — دو اسپه دوانم بمیدان جنگ

چنان از زبان تیغ رانی کنم — که تسخیر ملک معانی کنم

به چالاک طبعان جادو رقم — کنم نیزه های قلم را قلم

کنند برمن از گنبد آبنوس — هزار آفرین روح دانای طوس

گر از عشق بازی برانم سخن — کنم عشق را تازه داغ کهن

چنان شوری از سینه بیرون دهم — که دیوانگی یاد مجنون دهم

ور از موعظت نکته رانی کنم | توانم که حبادو زبانی کنم
روان می کنم آب ازدیده ها | چو انجم برم خواب ازدیده ها
چون این از من آید بچندین قصور | ز بیدار مغزان شهری چه دور
مگر نکته دان جهان نیست کس | سخندان بسی قدر دان نیست کس
مثل راست زد آن یکی گوشه گر | که بر قدر دان فکر داناست پیر
چه اندیشه را در سخن آورد | چو تیر از پر قدر دانی پرد
بزه طبع استاد گرد و بلند | چو آتش که از باد گرد و بلند
چو ممدوح نامش به تحسین بود | بود چون کمانی که بی زه بود
مرا بهره زه طبع ریش خود است | خدنگم بفرمان و کیش خود است
ندارم طمع سوی مزد کسی | نه من پاسبانم نه دزد کسی
چون آن تندرو گفتگویم شنفت | به نرمی و خندان بسی باز گفت
کرا از همه در سخن پروری | کمر بسته بر لاف و دعوی گری
بخشم آمدی از برای همه | گرفتار گشتی بجای همه
اگر داری از راست گوئی نشان | کنون دعوی خود بکرسی رسان
بگو قصهٔ رزم شیر جوان | فرنگین شکن اکبر پهلوان
که در جنگ کابل بدشت نبرد | چه شیران فگندست آن شیرمرد
چو دعوی نمودی در اثبات کوش | وگرنه زگفتار باطل خموش
چو در گوش من گشت این ماجرا | بجنبش رگ غیرت آمد مرا
بانواع تشویش و رنج و محن | پریشانی حال و ضعف بدن

بمقدار دانش بصد اہتمام | زغیرت بیک سال کردم تمام
چو این تیر فکرت بموں شد زشت | زہجرت ہزار و دو صد بود و شصت
زمعنی شناسان روشن قیاس | بصد عجز دارم چنین التماس
کہ بر من نخواہند شد نکتہ گیر | چو آن خامہ خورد شد در صریر

بنیند سوی خطای حمید
کنند از ثنای عطای حمید

افغان دور کے پروردہ اس شاعر نے سکھوں کے عہد حکومت تک شاعر کی حیثیت سے خاصی شہرت حاصل کرلی تھی خصوصاً ناپرسان نامہ (منثور) اور چای نامہ، بیبوج نامہ (منظوم) کے بعد حمید کافی مقبول ہو چکے تھے، اِن کا "چای نامہ" گھر گھر عوامی مقبولیت کا نمونہ بن چکا تھا۔ "ناپرسان نامہ"، نے گوشہ گیروں، مصلحت بینوں، اور بے حس عوام کو سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ کشمیریوں پر کیا بیت رہی ہے اور وہ کس خواب غفلت میں ہیں۔ اسی طرح "بیبوج نامہ" نے بھی کشمیر کی عوامی بیداری میں نہایت اہم رول ادا کیا۔ کشمیر میں تحریک آزادی کی چنگاریاں ان ہی تصنیفات سے سلگنا شروع ہوئیں اور یہ کہنا بےجا نہیں کہ "ناپرسان نامہ" اور "بیبوج نامہ" ہی سکھوں کے خلاف بغاوت کا ایک سبب بنا۔ اس اعتبار سے حمید کی حیثیت ایک عوامی شاعر کی بھی ہے اور اگر کوئی شاعر اس فریضہ سے عہدہ برآ ہوا تو اسے قومی شاعر تسلیم کرنے میں کیوں کر پس و پیش ہو سکتا ہے۔ حمید کی شاعری اگرچہ مقامی یا قومی زبان میں نہ تھی لیکن وہ بہر حال اس قوم کی نمایندگی کر رہے تھے کہ جس کے وہ ایک فرد تھے۔ حمید نے بیک وقت دو کام انجام دیے۔ ایک یہ کہ انہوں نے کشمیری قوم کو اپنے تشخص کا احساس

ملایا اور یہاں کے کلچر اور یہاں کی روایات کو اپنے کلام میں جگہ دے کر ابدیت عطا کی، دوسرے یہ کہ انہوں نے فارسی ادبیات میں گراں قدر خدمات انجام دے کر کشمیر میں رزمیہ فارسی مثنوی کو بہترین صورت میں پیش کیا۔ اس کے علاوہ ایک اور خصوصیت جو ادبی اعتبار سے کم اہم نہیں ہے، حمید کے یہاں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے کہ انہوں نے فارسی ادب میں باضابطہ طور پر طنز و مزاح اور ہزل و ہجو کو جگہ دی۔ اس سے پہلے کے ادوار میں اس طرح کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں لیکن حمید نے پہلی بار طنز و مزاح اور ہزل کو شعوری طور پر برتا اور اسے فن بنا دیا۔ چنانچہ عوامی اور سیاسی زندگی پر اس کا بہت گہرا اثر پڑا۔ یہ تین بڑی خصوصیات حمید کا مایۂ امتیاز ہیں۔ جوان ہی کے ہاتھوں پروان چڑھیں اور فارسی میں، ان ہی پر ان کا خاتمہ ہوا۔ چنانچہ طنز و مزاح کا جو بیج حمید نے بویا وہ بعد میں کشمیری زبان میں ابھر کر سامنے آیا۔ انداز بیان اور اسلوب نگارش کے لحاظ سے بھی حمید اللہ حمید کی شاعری کا مطالعہ کیا جائے تو وہ کسی بھی صورت میں کم پایہ شاعر معلوم نہیں ہوتے۔ ہم رزمیہ میں حمید کو فردوسی کے برابر تو نہیں لا سکتے لیکن اتنا ضرور ہے کہ فردوسی کی مادری زبان فارسی تھی، انہیں درباری سرپرستی حاصل تھی، دربار کی تمام مراعات میسر تھیں، اس کے برعکس ملا حمید نے ایسے ماحول میں جنم لیا جہاں یہ سب چیزیں ان کے لئے معدوم تھیں۔ فارسی کی اچھی اور مضبوط روایات تو موجود تھیں لیکن افغانوں سے لے کر سکھوں تک حمید کا پورا عہد ابتلا اور انتشار کا عہد تھا۔ اقتصادی بدحالی اور سیاسی عدم استحکام نے یہاں کے ہر ذہن کو منتشر کر دیا تھا۔ خوشحالی اور سکون کی زندگی خواب بن گئی تھی حتیٰ کہ لوگوں کی دینی بقا بھی (سکھ دور میں) معرض خطر میں تھی۔ محمود غزنوی والی وہ خوشحالی شاہانہ

سرپرستی، عدل و انصاف اور ادب نوازی اگر اس خاک کو میسر ہوتی تو یہ زرخیز مٹی بھی بارآور ہو جاتی۔ تاہم یہ کیا کم ہے کہ ان حالات کے باوجود خطۂ کشمیر نے فارسی زبان و ادب کی اتنی خدمت انجام دی کہ پورے برصغیر ہندو پاک میں اس قدر شاید ہی ہو پائی ہو۔ حمید اللہ حمید بھی یہ خدمت انجام دینے والوں میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

حمید کی زیر نظر مثنوی "اکبر نامہ" میں سکھوں اور افغانوں، پھر افغانوں اور انگریزوں کی انیسویں صدی کے اوائل کی جنگوں کا ذکر ہے۔ مثلاً حمید نے حاکم قندھار دوست محمد خان کے نام ہری سنگھ کے ایک خط کا ذکر یوں کیا ہے ؎

• بنام فرازندۂ آسمان — کہ مریخ را داد تیر و کمان
زفرمایش برابر سیلاب ریز — دو ستی زند برق شمشیر تیز
زمین را کند تیر باران فلک — زند صاعقہ توپ و تندر شلک
از و ترک گردون ز شمس و قمر — ببست است ترکانہ تیغ و سپر
بیک نیزہ خورشید ملک جہاں — گرفتست از قاف تا قیروان

• مرا نیز تیغ جہاں سوز داد — کہ در دم دہم خاک و عالم بباد
توانم کہ گر برکشم تیغ کین — بگیرم چو خورشید روی زمین

• برآنم من ای سرور کابلی — کہ یک بار چون رستم زابلی
بترکان چین ترکتازی کنم — بگردان یکی نیزہ بازی کنم

دهم یاد مردی بمیدان روس — به روسی چو اسکندر فیلقوس

شبی خون به بلخ و بخارا زدم — سنان بر سر سنگ خارا زدم

سر رومیان کوبم از پای فیل — کنم مصریان غرق دریای نیل

بشای دم صبح و شام آورم — هژیران جنگی بدام آورم

چو تازی دوانم سوی تازیان — ببنید شمشیر من غازیان

ز توران زمین رو با یران کنم — زمین تر به خون دلیران کنم

ولی قرعه اول بنامت فتاد — خدایم درین کار فرصت دهاد

خبر کردمت پهن بگشاه گوش — مدان سرسری هوش کن هوش هوش

بخدمت کمر بند و پا در گریز — دگر نه من و کابل و تیغ و تیز

بگو بند و نانک به استاد زند — به مهر و بماه و به چرخ بلند

که چون از میان برکشم تیغ کین — نه غزنی گزارم نه کابل زمین

چنان سازم از توپ و شاهین شلک — که کهسار کابل پرد بر فلک

• ز کابلستان تا به غزنین و غور — فتد خاک شوره به دریای شور

چو گردانه آیم بگردن زنی — دهم داد مردی و مردافگنی

چنان محشر سخت برپا کنم — که از توپ ها کوه و صحرا کنم

اگر جستی از تیغ من زینهار — برستی زمستی مجو کار زار

ترا طاقت جنگ و پیکار کو — زرت کو، سپه کو، سپهدار کو؟

چو شطرنج بازان به نیرنگ و رنگ | پیاده تنی چند آری بجنگ
بمیدان بیایی به حرص بهشت | بتابی رخ از عرصه ناخورده کشت
به جادو بیانی و افسون گری | بدست تهی مردم از ره بری
به نسیه دهی وعده بر رستخیز | دم نقد یا بند شمشیر تیز
به بازدی سست و بر خار زرد | گرسنه چه مردی کند در نبرد
ز دست تو آن ملک کیهان ستد | که پیش از دو صد سال ازما شدست
نه از خود سخن گویمت بلکه پیش | نوشتست نانک در اخبار خویش
که سنگان من وقتی از روزگار | به کابل روند از پی کار زار
بیایند یک لک سپه زیر تیغ | و لیکن چو از کوشش بی دریغ
بیایند بر خصم فتح و ظفر | بگیرند ملک جهان سر به سر
دگر هیچ کس تاب شمشیر شان | نیارد ز شاهان و گردنکشان
شود شاه روی زمین نونهال | بشاهان گیتی دهد گوشمال
ازان نو نهالت که کردم خبر | ز باغ شه ما بر آورده سر
کنون وقت آن شد که خیزم زجای | به اقبال او دشمن آرم زپای
ازین پست تو و ما و دشت نبرد | ز دریا چو صحرا بر آریم گرد
ز یک لک چه کم گردد لک هم ز تیغ | بیایند ز آن هم ندارم دریغ
ترا گر یکی تن ز صد کم شود | بیکبار کار تو برهم شود
مرا کشته گردد هزاری اگر | رسد از پیم صد هزاری دگر
دماغت چنین از چه برباد شد | مگر جنگ کشمیرت از یاد شد

حمید اللہ حمیدؔ کے کلام کا عام جوہر زبان کی صفائی اور سلاست و روانی ہے جو مثنوی کی بیانیہ صنف کے لئے مناسب ہے۔ حمیدؔ کے زمانے تک اگرچہ کشمیر میں فارسی اصناف شاعری نے ایک شاہراہ قائم کر لی تھی اور غزل، قصیدہ جیسی اصناف اپنی پختگی کو پہنچ چکی تھیں۔ لیکن مثنوی میں ابھی وہ برجستگی، روانی اور شیرینی نہیں آپائی تھی۔ خاص طور پر رزمیہ اور ہزل مہارت فن سے یکسر پیچھے تھے۔ حمیدؔ کا اعجاز یہ ہے کہ انہوں نے ملا شائقؔ سے ایک قدم آگے بڑھ کر اس کمی کو پورا کر دیا۔ شائقؔ اور حمیدؔ کے کلام کا تقابلی مطالعہ کرنے سے یہ فرق صاف ظاہر ہوتا ہے۔ حمیدؔ نے واقعات کو بے تکلفانہ انداز میں پیش کرنے سے اپنے انداز بیان میں ایک طرح کی کشش کا اضافہ کیا ہے۔ واقعہ نگاری کا فن حمیدؔ سے قبل بھی ہمیں کشمیر کی فارسی شاعری میں ملتا ہے لیکن حمیدؔ نے بے تکلفی اور برجستگی سے اس کے محیط کو وسیع تر بنایا۔ جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے کہ حمیدؔ کی طبیعت کو ہجو سے بھی خاص مناسبت ہے اور اس کا مشاہدہ ان کے "بیبوج نامہ" میں کیا جا سکتا ہے۔

"بیبوج نامہ" میں حمیدؔ نے کشمیر کے سماجی حالات پر نہایت دلچسپ اور لطیف انداز میں طنز کے تیر برسائے ہیں۔ اس کے مطالعہ کے دوران قاری آہ و افسوس اور ہنسی دونوں طرح کے محسوسات سے گزرتا ہے۔ کشمیری عوام کی اُس وقت کی مظلومیت اور کس مپرسی پر کون آنسو نہیں بہاتا لیکن حمیدؔ نے جس طرح سے اس کا اظہار کیا ہے وہ طنز نگاری کے فن میں اُن کی اعلیٰ مہارت کا ثبوت دیتا ہے بلکہ طنز یہ سخن سرائی میں انہوں نے نہایت اچھوتے، نادر، باریک اور لطیف مضامین پیدا کئے ہیں جو شاعر کی زبردست قوت تخیل کے غماز ہیں اور شاعری کی ایک اہم شرط

بھی ہیں۔

ملا حمید کی عمر کا بیشتر حصہ درس و تدریس میں بسر ہوا اور اس علمی پیشہ نے اُن کے شعری مزاج میں اور بھی تقویت پیدا کر دی۔ غزل کے مقابلے میں انکی طبعیت طویل منظومات اور مثنوی کہنے کی طرف زیادہ مایل تھی۔ چنانچہ ذکر ہوا ہے کہ "بیبوج نامہ" کے علاوہ انہوں نے "شکرستان" کے نام سے ایک خمسہ بھی لکھا ہے اپنے موضوعات اور انداز بیان کے لحاظ سے "شکرستان" گویا "بوستان سعدی" کی پیروی کی ایک کوشش ہے۔ اس میں جگہ جگہ مختلف حکایات بھی شامل کی گئی ہیں۔ ایک حکایت "جناب میاں کنگال" کی لکھی ہے۔ اس میں سے چند شعر بطور نمونہ ملاحظہ ہوں ؎

- قطب ما و غوث ما ابدال ما — پیر پیر ما میاں کنگال ما
  در رہی می رفت چون شیر ست — بی خبر از ہست خود مست الست
  چند گام اندر رہش آمد بہ پیش — فربہ و رخت قوی چون گاو میش

اس کے بعد پیر کنگال کے گائے کو ذبح کرنے اور لوگوں کی اس پر عید منانے کا حال نہایت دلچسپ اور مزاحیہ انداز میں بیان کیا ہے۔

ملا حمید کی ایک اور تصنیف "دستور العمل" ہے۔ یہ پند و نصایح پر مشتمل ہے، اس میں سے ذیل کا اقتباس ملاحظہ ہو:-

- "ہر کہ ترک منصب کرد، بعیش و فراغ نشست، و آنکہ این کباب تر خورد رنج و سخ داغ بینید ؎
- عیش و عشرت اگر امل داری — مکن از سر سری عمل داری

ہر کہ ازین غل گلوی خود رالبست — زان پس از مرگ ہم نخواہد رست،،

رسالے کے آخر پر" دستور العمل" کی تاریخ تکمیل یوں لکھی ہے ؎

- سال تاریخش چو پرسد ہوشیار — گو ہزار و دو صد و چہل و چہار

جیساکہ ذکر ہوا ہے" بہبوج نامہ" سکھوں کی غیر دانشمندانہ طرز حکومت پر ایک تند و تلخ طنز ہے اور اس سے سکھوں کی طرز حکومت کے علاوہ اُن کے عدلیہ، مالیات کی وصولیابی کے طریقہ کار اور اس طرح کی دوسری باتوں کا پتہ چلتا ہے۔ اس ضمن میں "دستور العمل" کے ابتدائی حصّہ سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

- " درین ایّام حسرت فرجام از چرخ ستمگر و سفلہ پرور در خطہ کشمیر جنت نظیر از تصرف خانخانان سمو المکان نواب عادل خان بدر رفتہ و برملازمان راجگان سلطان شہر ناپرسان تاراج سنگھ مسلم گر بیدہ و حریص سنگھ کہ در رعیت پروری و عدالت گستری از بندگان عالی نامی بود و از ہمہ گرامی بخدمت صوبیداری مشرف گشتہ از بسکہ شفقت رعایا و برایامر کوز خاطر عدالت فرخار بود ہنگام دداعش مواعیظ کافی و اندرزہای وافی نمودہ فرمود کہ عدل و داد بہ ہیچی باید کرد کہ متوطنان خطہ را از حکایت دشکایت خاموش کنند و قصہ غصہ فراموش، رسمی جدید پیش باید گرفت....."

حریص سنگھ کی زبان سے اس رسم و نہج کے اصول حمید نے اس طرح بیان کئے ہیں؛

- "ہر مال قطاع الطریق را اجازت دہند کہ بی محابا بکار خود مشغول

شوند..... بی مزاحمت قلبہ در برف پاشند، باج از دہاقین
در ایام بہار بگیرند گریز خان میر شمشیر داد بار خان بخشی فوج
و شامت سنگھ چہرہ نویس، مُردار سنگھ قاپچی، چرگین
داس آشپز..... رہزن باندی دربان مضتری داس دفتری......"

طنز بہ انداز میں عام طرزِ حکومت اور نارسائی کے عالم کی منظر کشی کو نمایاں کرنے کے ضمن میں حمید نے صفات کے اعتبار سے ناموں کو بگاڑ کے پیش کیا ہے۔ مثلاً گریز خان، ادبار خان، شامت سنگھ، مُردار سنگھ، رہزن باندے، چرگین داس، مضتری داس، حریص سنگھ وغیرہ نام طنز کو اور زیادہ گہرا بناتے ہیں۔

"چای نامہ" حمید اللہ حمید کا ایک اور اہم رسالہ ہے۔ شاعر نے اس میں نہ صرف چائے بلکہ چائے سے متعلق دیگر تمام اشیاء مثلاً برگ چائے، چائے پز، پتیلی، چمچہ جوشیدن چائے، شیر، مسکہ، سرپوش، چائے دان، نقل چائے یعنی نان و کلچہ، نوشیدن چائے وغیرہ کی الگ الگ توصیف کی ہے۔ آخر میں "خلاصہ مرام از تمہید کلام" عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

- پدید آمدہ چای سبز و سیاہ   چو شد رنگ بیرنگ را جلوہ گاہ
- یکی اسم ہادی و دیگر مفصل   کدام آن دو قسم اندای اہل دل
- بجوشید و کوشید کاتش بجنگ   زنیرنگ این ہر دو چای دو رنگ

حمید اللہ کی نظم "ردِ شعیہ" خاصی دلچسپ اور معلوماتی ہے۔ اس نظم سے حمید کے علم دین پر عبور اور مذاہب و مسالک سے متعلق جانکاری کا اندازہ ہوتا ہے۔

رزمیہ داستان "اکبر نامہ" میں حمید نے افغانوں کی سکھوں اور انگریزوں سے

پہلی تین جنگوں کے واقعات نظم کیئے ہیں۔ اس داستان میں حمید کا خاص کردار دوست محمد خان والی افغانستان کا بیٹا اکبر خان ہے۔ ہری سنگھ جب میر دوست محمد خان کے ساتھ محاربہ میں خیبر کے نزدیک مارا گیا تو رنجیت سنگھ پر اس کی موت کا سخت صدمہ گزرا حمید نے رنجیت سنگھ کے اس رنج وغم اور درد وکوفت کو تمام ترکیفیات کے ساتھ بیان کیا ہے، اس کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حمید کو واقعہ نگاری کے ساتھ ساتھ جذبات نگاری کا ہنر بھی آتا ہے۔

حمید اللہ حمید کو شاعری کا ملکہ فطری طور پر ودیعت ہوا تھا اور شروع جوانی ہی سے انہوں نے اپنے ذوق کی مشق شروع کی تھی۔ "انجمن شعرا" کا قیام اور حمید کی شاعری کا باقاعدہ آغاز ساتھ ساتھ ہوا اور افغانوں کے ہی عہد تلاطم میں ان کی شاعری پروان چڑھی، لیکن جیسا کہ ذکر ہوا کہ حمید کی شاعری کا زمانۂ شباب سکھوں کا عہد تھا جس میں انہوں نے "اکبر نامہ" اور دوسری تخلیقات کی تشکیل کی۔ حمید کی جوانی کا کلام بالخصوص غزل جس سے انہوں نے اپنی سخن سرائی شروع کی تھی، کہیں نہیں ملتا۔ حمید کی غزلیات کا ایک دیوان بیج بہاڑہ کے ایک صاحب محمد حسین قریشی کے پاس تھا جو آگ کی ایک واردات میں جل گیا اور یوں حمید کی غزل گوئی کا نشان بھی مٹ گیا لیکن پھر بھی ان کے بقیہ کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس فن کے بھی ماہر رہے ہوں گے۔

(لیکن نگاہ نکتہ بین دیکھے زبوں بختی مری)

خاطرات

(تاریخی یادیں)

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد

تمنّا

ماهها بگذشت
حتی سالها
من و
دل تنها بودیم
من و دل
ناجی هم
وز همه چیز آگاه
راهی و هم پا بودیم
من و دل تنهای و تنها
سرما پنهان و پیدا
عقل و دین باخته بودیم
ولی آن دم زرهی دور و دراز
آمدی ز نشیب و فراز
دل من سخت بر آشفت بهم
یارب این دل چه تمنا دارد ؟

تهران ایران
دانشگاه تهران
پارک فرح
۱۳ ستمبر ۱۹۷۶ء

شب یلدا

برای خود سرودم هر شب یلدا سرودی را
تو امشب، این شب یلدا
سرآغاز سرورم باش
چو امشب راز میگوید دلم با تو
بیا آغاز و انجام وجودم باش
چو امشب بی سحر دیگر نخواهد بود تا سالی
بیا یک امشبی خورش باش
شریک تار و پودم باش
وامشب هم چو شبهای دیگر بگذشتنی خواهد
بیا ای همچو جان شیرین
بیا جام بلورم باش

خوش آمد گویمت امشب به شعر تازه ام

ای دوست

بیا تازه ترین شعرم
تو چنگم باش، تو عودم باش
گرامی مقدمت امشب، شوقی دگر داده
بیا امشب سحرگاهان
بیا سنگ صبورم باش
دلم امشب چه غمگین است
که امشب بی سحر مانده
تو این غم از دلم بردار
بیا صبح سپیدم باش
و من در هر شب یلدا،
بیاد حافظ شیراز
نهانی قصهٔ دل سازمی کردم
ولی امشب زدم فالی بیاد نرگس مستت
بیا شاهد لفالم باش
تو از شام و سحر بگذر به این صبح امید بنگر
بیا اینجا تماشاگر سبحالم باش
که فال امشب سخن گوید
چه خوش گوید ولی بی تو

سخنها در گلو مانده
نمی دانم چگونه سرودم آن نغمه و آهنگ
ولی گویم
اگر آیی ببالینم سخنها از صفا گویم
ولی نائی کنار من سخنها از جفا گویم
بیا ہمدم
جفا از خود بران امشب

بیا جانم
صفایم باش
برایم باش

شیراز' ایران
باشگاه قاآنی
۲۷ ستمبر ۱۹۷۶ء

شرر

من برایت شعر نتوانم سرود
ای تمامی شعرهای عاشقان
من برایت شعر نتوانم سرود
ای تمامی عشق ای تمامی شور
ای تمامی ناله ها اندر نهان
من برایت شعر نتوانم سرود

○

من بآن حزن سکوتت راضیم
من به این عشق و وجودت راضیم
من باین حرفی که می گویم کنون
من بانیت ....
من بآنت ....



ای که بشکستی سکوتت

ای که بنهادی وجودت

ای که تو تنها تر زمن

ای که تنها بود، بودت

من به وجودت ....



حیف آن سالهای سکوتت

حیف آن روز ها که بود

حیف آن غمها وشادی ها

حیف آن ایام که بگذشت چو رود

من به هر اموتی وحیفی ....



وه سخن راندی چه زود

حال با سخن گفتن چه بود؟

کاش دیر ترمی گشودی زبان!

کاش بشیتر می بودت بکلام!

من به این هم ....



در خیالت لحظۂ ما

انتظار لحظۂ دیگر گشد

با خیال دیدنت

انتظار، لحظه ها را میکشد
ای تمامی لحظه هایم انتظار
انتظار در لحظه های من چه کار
هر تمامی لحظه های انتظارم....



فکر های هر شب و هر روز من
فردای توست
تا به فرداها رسی، فکر من
در کار توست
من به فردا شادم و شادم کر تو
همچو من در انتظار لحظه ها
همچو من در آتش و شب سوختن
تا که دیدن آخرین سازها
من به هر ساز و نوایی.....



لیک میدانی کنون
من به کنجی در قفس زندانیم
حرفها و طعنه های دیار من
من باین.....

باشگاه،
دانشگاه اصفهان
ایران
۹ اکتوبر سنه ۱۹۷۶ء

زندگی

زندگی چیست ؟
نہالی پربار !
زندگی چیست ؟
زغمہا سرشار !
زندگی چیست ؟
سراسر اسرار !
زندگی چیست ؟
لبالب از درد !
زندگی چیست ؟
تمامی آمال !
زندگی چیست ؟ زندگی چیست ؟

باشگاه
دانشگاه فردوسی
مشہد ایران
۱۲ر اکتوبر ۱۹۷۶ء

خاطره

نمیدانم که، هستی
نمیدانم چه هستی
ولی دانم ز راهی دوری آیی
ز راهی دور،
از شهری دور،
از دیاری دور،
و چه زود
خواهی رفت
چه غمگین است رفتن
و بر جای نهادن
خاطره ای
چه شود کرد با خاطره ها
گر شود، هیچ گرفت
زندگی از هیچ است
زندگی از هیچ است

نیشاپور، ایران
۱۷ر اکتوبر ۱۹۷۶ء

ایران
شمیران، تهران
پارک شمیران
۲۸، اکتوبر ۱۹۷۶ء

تنها

بی تو هر شب همه روز
بی تو هر لحظه هر آن
بی تو شب چکنم؟

بی تو بی امیدم
بی تو من نومیدم
بی تو شب چکنم؟

بی تو هر روز سالی
بی تو هر شب یلدا
بی تو هر روز تنها
بی تو تنها فردا
بگو تنها چکنم؟

دیگر بی تو دیره
دیگر این دل سیره
بتو پابندم من
بگو فردا چکنم؟
بگو تنها چکنم؟

عقربکھا

عقربکھا بی تفاوت روز و شب
سایه وار از پس هم حیرانند

بی تفاوت این زمان و آن زمان
عقربکھا روی هم آرامند

غزاله
آبادان (عبادان)
ایران
۹ نومبر ۱۹۷۶ء

وجود

منم برایت حرف نتوانم زد
کہ تو تمامی حرفی،
من برایت شعر نتوانم سرود
کہ تو تمامی شعری
تو را باور دارم،
سخنت را،
کلامت را،
و حقیقت را کہ عامی وجود توست،

قم، ایران
۲۳، نومبر ۱۹۷۶ء

●

زندان

مجھ پر نہ ذرا بھی غم دوراں کا اثر ہے
ذکر آپ کا لب پر میرے ہر شام و سحر ہے

کیوں واعظ دین آپکو الفت سے حذر ہے
کیا اتنی بُری شے یہ تمنائے بشر ہے

یہ روشنی اے نالۂ شبگیر ارے توبہ
معلوم یہ ہوتا ہے کہ اب وقت سحر ہے

چہرے پہ اداسی ہے پریشان ہیں گیسو
اے دوست یہ کیا رنگ ہے کچھ اپنی خبر ہے

تہذیب جہاں کا یہ بدلتا ہوا عالم
جو صاحب اخلاق ہے وہ تنگ نظر ہے

زلف و رُخ دوست کو سمجھے ہیں یہیں تک
دنیا میں جسے دیکھو وہ پابند نظر ہے

زنداں سے سوا دائرۂ زیست ہے یارو
ہر چند کہ اس میں کوئی دیوار نہ در ہے

ہم مضطرب شوق اور وہ بیتاب تجلّی
اے دوست محبت میں برابر کا اثر ہے

کیوں تیرہ شی باعثِ تسکین ہے منوّر
محسوس یہ ہوتا ہے کہ اب وقت سحر ہے

بی۔ اے آنرز سالِ آخر
جامعہ ملیہ اسلامیہ
جامعہ نگر، نئی دہلی
مشاعرہ، نئی نسل نئی روشنی
منعقدہ آل انڈیا ریڈیو
مورخہ ۱۳، ستمبر ۱۹۷۵ء

حواشی و حوالہ جات

۱۔ سعیدہ اشرف۔ امیر کبیرؒ ص ۴۲ ۲۔ تاریخ حسن۔ ج دوم ص ۱۳۶

۳۔ علی بن حامد کوفی بیچ نامہ' انگریزی ترجمہ ۱۶۰۔ بحوالہ اسلامک کلچر ان کشمیر صوفی می الدین۔

۴۔ تاریخ حسن ج دوم ص ۱۶۵

" سید امیر کبیر ص ۲۲

" صوفی اسلامک کلچر ان کشمیر ص ۳۴ - ۳۵ - ۳۶

" صوفی ازم ان کشمیر ص ۱۲ - ۱۳

" طلوع آفتاب دین محمدیؐ ص ۱۶۶ و واقعات اعظمی

۵۔ تاریخ حسن ص ۱۶۶ ج دوم

" اسلامک کلچر ان کشمیر۔ صوفی۔ ص ۳۴ ' ۳۵

" صوفی ازم ان کشمیر رفیقی۔ ص ۹

" سید امیر کبیر۔ سعیدہ اشرف۔ ص ۴۷

Peapels

۶ اسلامک کلچر ان کشمیر۔ صوفی۔ ص ۳۵، ۳۶

" سید امیر کبیر۔ سعیدہ ص ۴، ۷

۷ تاریخ حسن۔ ص ۔ ۶۷ ۔ ۱۶۶ ۸ واقعات کشمیر (تاریخ اعظمی) ص ۳۰ ۔ ۳۱

۹ واقعات کشمیر خواجہ محمد اعظم ص ۳۲ ۔ ۳۳

۱۰ واقعات کشمیر ص ۳۶ ۔ ۳۷ (اسلامک کلچر ان کشمیر میں شاہ ہمدانؒ کی کشمیر میں تیسری بار آمد کی تاریخ ۷۸۵ھ درج ہے جبکہ واقعات کشمیر میں یہ تاریخ ۷۸۱ھ ملتی ہے)

الیضاً اسلامک کلچر ان کشمیر ص ۲۶

" صوفی ازم ان کشمیر ص ۲۶

" سید امیر کبیر میر علی ہمدانیؒ ص ۸۴

" تاریخ حسن ۱۷۲ ۔ ۱۷۳ (واقعات کشمیر میں ص ۲۶ ۔ اسلامک کلچر ان کشمیر ص ۲۱)

۱۱ تاریخ اعظمی ۲۴، ۲۵، ۳۷ ۔ اسلامک کلچر ان کشمیر ۲۴ ۔ ۲۵ واقعات اعظمی میں ان کے اسمِ گرامی کے ساتھ سامانی لکھا ہوا ہے اور اس بات کی تصریح بھی کی گئی ہے کہ انہیں بعض سامانی اور بعض سمنانی کہتے ہیں۔

۱۲ تاریخ حسن۔ ص ۱۷۳ ۱۳ تاریخ حسن۔ ص ۱۷۳ ۔ واقعات کشمیر

۱۴ الیضاً۔ اس واقعہ کے بارے میں ہندوستان کی سیاسی تاریخوں میں کوئی اشارہ نہیں ملتا ہے لیکن چونکہ حضرت سیدؒ کی آمد پر شہاب الدین کشمیر میں موجود نہیں تھا۔ اس لئے یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ امیر کبیرؒ نے ازراہِ خلوص مصالحت فرمائی ہو۔

الیضاً۔ واقعات کشمیر ص ۳۸

۱۵ الیضاً۔ اسلامک کلچر ان کشمیر۔ تاریخ حسن، صوفی ازم ان کشمیر۔ سعیدہ اشرف سید امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ

۱۶ سفینۃ اولیا ص ۱۰۸ ۱۷ خزینۃ الصفیا ص ۱۱۸ ۔ الیضاً سفینۃ الاولیا ص ۱۰۸

۱۸ واقعات کشمیر ص ۳۴ تا ۳۷ ۔ الیضاً سید امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ ص ۳۲

۱۹ اسلامک کلچر ان کشمیر ص ۲۷۔ ۲۸   ۲۰ اسلامک کلچر ان کشمیر ص ۲۸

۲۱ سید امیر کبیر سید علی ہمدانی رح ص ۴۳

۲۲ پروفیسر شمس الدین احمد گنج عرفان ص ۱۲۶

۲۳ " " " " " "

۲۴ گنج عرفان ص ۱۲۶   ۲۵ گنج عرفان ص ۱۲۷   ۲۶ گنج عرفان ص ۱۲۷

۲۷ گنج عرفان ص ۱۲۷   ۲۸ گنج عرفان ص ۱۲۷   ۲۹ گنج عرفان رسالہ دہ قاعدہ ص ۱۲۷

۳۰ گنج عرفان رسالہ دہ قاعدہ ص ۱۲۷   ۳۱ گنج عرفان رسالہ دہ قاعدہ ص ۱۲۹

۳۲ گنج عرفان رسالہ دہ قاعدہ ص ۱۲۹   ۳۳ گنج عرفان رسالہ دہ قاعدہ ص ۱۳۰

۳۴ سفینہ ہندی مؤلف بھگوان داس ہندی ص ۲۲۷ چاپ پٹنہ

۳۵ سفینہ ہندی کا بیان ہے میر خلیل سے متعلق ہماری معلومات ناقص ہیں۔

۳۶ صبح گلشن مؤلفہ سید علی خان ص ۵۸۰ چاپ بھوپال ۱۲۹۵ھ

۳۷ راجہ کول کا نوشیروان عادل اور واصل بن حسن عبدالکریم کا راجہ کول کی نسل سے ہونے سے متعلق ہمارے پاس کوئی دوسری سند موجود نہیں اور اگرچہ راجہ کول نوشیروان عادل کی اولاد سے ہونا باسانی قابل یقین نہیں تاہم مواد کی عدم موجودگی کی بنا پر ہمکو اسی بیان پر اکتفا کرنا پڑتا ہے۔

۳۸ امیر الامراء خان دوران سے مراد محمد عاصم خواجہ اشرف خان صمصام الدولہ امیر الامراء خان دوران بہادر منصور جنگ بن خواجہ قاسم نقشبندی متوفی ۱۱۵۱ھ ہے۔

۳۹ راجہ ادھے راج نریندر اور راجہ تکیت رائے بہادر اس وقت والی اودھ نواب آصف الدولہ کے دیوان تھے جو خیانت کے جرم میں ۱۲۱۱ھ میں معتوب و معزول ہوئے قیصر التواریخ جلد ۱ ص ۱۱۷ بحوالہ راشدی ص ۵۰۲

۴۰ سفینہ ہندی ص ۲۳۷ یہ اشعار "صبح گلشن" میں بھی موجود ہیں۔

۴۱؎ سفینۂ ہندی مؤلف بھگوان داس ہندی ص ۲۲۷

۴۲؎ صبح گلشن مؤلفہ سید حسن علی خان ص ۵۸۰

۴۳؎ صبح گلشن ص ۵۸۰ مذکورہ تینوں تذکروں میں انہی اشعار کا تکرار ہوا ہے۔

۴۴؎ ایضاً ۴۵؎ ایضاً

۴۶؎ دیوان واصل کشمیری حبیب گنج کلکش نسخہ قلمی مخطوطہ ۱۲۲۷ھ شمارہ کتاب ۱۸۸ ایکیشن نمبر ۵۶۳/۴ شمارہ ترتیب ۱۲۰۸ بوٹ ا۔ اس نسخہ کی کتابت لکھنو کے کسی محمد عاشق نامی کاتب کے ہاتھوں ہوئی ہے اور یہ نسخہ مولوی سید محمد تقی صاحب مددگار صدارت عالیہ حیدر آباد کے ذریعہ علی گڈھ کے پی۔ وی۔ سی نواب حبیب الرحمان خان شیروانی کے توسط سے کتابخانہ کے حبیب گنج کلکش میں شامل کیا گیا ہے نسخہ کے آخر پر صفدر جنگ۔ حیدر یار جنگ کے ۱۴، ربیع الآخر ۱۳۴۴ھ کے دستخط موجود ہیں۔ اصل نسخہ کے کل اوراق ۱۶۶ ہیں جن میں سے درمیان کے ورق ۱۱۴ اور ورق ۱۲۳ غائب ہیں اور ہر صفحہ پر ۱۸ سے ۲۱ کے درمیان سطور ہیں کتابت نستعلیق خط میں ہے۔

۴۷؎ ملاحظہ ہو واصل کے معاصرین اور مرزا گرامی کے شاگردوں کا سلسلہ تذکرہ شعرای کشمیر از حسام الدین راشدی مؤلفہ میرزا اصلح

۴۸؎ سامری ماخوذ از تذکرہ شعرای کشمیر مؤلفہ محمد اصلح ص ۲۹۲، مرزا گرامی ملا سامری کا بیٹا تھا اس سلسلے میں واقعات کشمیر کے مؤلف محمد اعظم دیدہ مری کا بیان ملاحظہ ہو۔

"مرزا داراب بیگ جویا پسر ملا سامریست صاحب سخن و معانی یاب بود و در فن سخن پردازی تبع مرزا صائب می نمود با محمد سعید اشرف و ملا علی رضای تجلی صحبت داشتہ این ہر دو شاعر مذکور مشہور ہمراہ ابراہیم خان بنوبت در کشمیر در آمدہ و از استادان او بودند مرزا داراب از شعرای عہد خود امتیاز داشت و صاحب دیوان فصاحت بیان است، درین وقت این چند بیت از حافظ بر صفحہ تحریر بر آمد قطعہ ... مرقبۂ آخر

کہ ابراہیم خان ناظم بود قرب بسیار داشت مرزا داراب در شہور سنہ ہزار ویکصد و ہیژدہ سفر گزین عالم آخرت شد چون در مرتبہ بعض اکابر اہل سنت و جماعت بمتمل گوئی شوخی کردہ چنین گفت. بیت ؎

بر سرش گل باد گرز آتشین
بر تنش نارِ جہنم نور باد

درہنگام رحلت مرزا بعض شعرای سنیہ ہم در تاریخ وفاتش جواب دہ شدمد چنین شوخی کردند تاریخ ؎

رافضی تا تاریخ جویا بیست ذعنتش بود کم
چونکہ گز کردند اوراگشت تاریخش درست

ہر چہ عوض دارد گلہ ندارد ــــــ کامران بیگ جویا برادر مرزا داراب جویا است، مشہور است کہ شاعری از ایران آمدہ بود۔ کامران بیگ بی ادبانہ باو برخورد آن شاعر طاقت نیاوردہ گفت کہ لعنت بر آن سامری کہ مثل تو گوسالہ را گویا کردہ است دیگری در صحبت این ہر دو برادر وارد شدہ از تخلص ہر دو پرسید یکی گفت جویا و دیگری گفت گویا فرمود کہ تخلص طالب کلیم را ہر دو برادر خوب تقسیم کردہ برویدزادۂ کامران بیگ است (واقعات کشمیر ص ۲۹۲)

۴۹۔ تذکرہ سفینہ خوشگو ص ۲۳۴ میں آیا ہے کہ "مرزا گرامی استاد یا لندکس بود"

۵۰۔ تذکرہ روز روشن میں ص ۲۹ پر لکھا ہے کہ "خود اچل داس کھتری شاگرد بود"

۵۱۔ نصاب واصل کشمیری قلمی نسخہ کل اوراق ۱۳۵ ایکسیشن نمبر ۵۲۳۴ کتابخانہ تحقیقی کلچرل اکیڈیمی سرینگر

۵۲۔ نصاب واصل ص ۱ شمارہ ۵۳۴ قلمی

۵۳۔ نصاب واصل قلمی ص ۲

ایضاً ص ۳۷ تا ۳۸

ایضاً ص ....

ایضاً ....

۵۴ واصل کے دیوان کا یہ نسخہ آب خوردہ ہے اور بعض مقامات پر الفاظ و حروف منہدم ہو چکے ہیں جو کہ پڑھے نہیں جا سکتے اور اس پوری غزل کے مصرعہ ثانی کا نصف آخر اسی صورت میں ہے چنانچہ استناد دیوان کے طور پر یہ غزل اسی صورت میں نقل کی گئی

۵۵ "جنت" کی جگہ "زلفت" ہوتا تو زیادہ مناسب تھا۔

۵۶ غالباً حضرت غوث پاکؓ کی طرف اشارہ ہے۔

۵۷ حاشیہ پر "ازکہ" کی جگہ "ازچہ" لکھا ہوا ہے اور وزن و معنی کے لحاظ سے دونوں درست ہیں۔

۵۸ "اس مصرعہ کا تکرار ہے"۔

۵۹ مجموع التواریخ از بیربل کاچرو ص ۲۶۴

۶۰ تحقیقات امیری از امیر الدین پکھلی والا ص ۲۷۶

۶۱ تاریخ حسن از پیرزادہ غلام حسن شاہ ج ۴ ص ۱۸۱

۶۲ ریاض الاسلام کا ایک ناقص سا نسخہ کلچرل اکیڈیمی سرینگر کشمیر میں موجود ہے۔

۶۳ تذکرہ شعرائے کشمیر از حسام الدین راشدی ج ۴ ص ۱۷۶۰۔ ایضاً پارسی سرایان کشمیر۔

۶۴ روضۃ السلاطین فخری، چاپ راشدی ص ۱۰، ۱۹۸۰،۱۹۰۰ بحوالہ تذکرہ شعرای کشمیر از راشدی۔

۶۵ سنجر سے مراد ملک شاہ سنجر سلجوقی حکمران ہے اور ایک ہی نام کا دو جگہ استعمال ہوا ہے۔

۶۶ تاریخ حسن ج ۴ ص ۱۸۱

۶۷ مجموع التواریخ از بیربل کاچرو ص ۲۱۲/۲۹۴ ب

ایضاً تاریخ حسن از پیر زادہ غلام حسن کھویہامی ج ۴ ص ۴۷

" تذکرہ حسینی از میر حسن دولت سنبھلی ص ۹۷ بحوالہ تذکرہ شعرای کشمیر از مرحوم پیر حسام الدین راشدی

" مجمع النفائس از سراج الدین علی خان آرزو ص ۷۳ ب

عقد ثریا از غلام ہمدانی مصحفی ص ۱۸

" صحف ابراہیم از علی خان ص ۱۱۲ الف

" تذکرہ روز روشن از مولوی مظفر حسین صبا ص ۱۳۶

" بیاض خطی از بندہ علی باسط ص ۱۷۴

" گلستان مسرت از عبدالرحمن شاکر ص ۵۴، ۹۹، ۱۰۰، ۱۲۵، ۱۳۱، ۲۳۱

" کشمیر از محی الدین صوفی ص ۷۴۴ ج دوم

" گرداری لعل ٹیکو کی "پارسی سرایان کشمیر" میں ملا محمد توفیق کی تاریخ وفات ۱۲۰۱ھ لکھی ہے جو بتحقیق صحیح نہیں ہے۔

۶۸۔ تحقیقات امیری از امیر الدین پکھلیوالا ص ۲۶۸ ب

۶۹۔ توفیق کے کلام کا خطی نسخہ ریسیرچ لائبریری کشمیر یونیورسٹی میں موجود ہے۔

۷۰ تا ۷۴، تحقیقات امیری از امیر الدین پکھلیوالا ص ۲۶۸ ب

ایضاً مجمع النفائس از سراج الدین علی خان آرزو ص ۷۲ ب

" تذکرہ شعرای کشمیر از مرحوم حسام الدین راشدی

" تذکرہ شمع انجمن از محمد صدیق خان ص ۹۹ بحوالہ تذکرہ شعرای کشمیر

" تذکرہ روز روشن از مولوی مظفر حسین صبا ص ۱۳۶ "

" عقد ثریا از غلام ہمدانی مصحفی ص ۱۸

نوٹ :۔ اور دیئے گئے اقتباس کے پہلے شعر کا پہلا مصرعہ لفظاً "دارد" دوسرا شعر مکمل وزن سے خارج نظر آتا ہے اسطرح شعر میں "بیرون" کا مختلف استعمال وزن شعر کے لحاظ موزون

نہیں ہے پھر چوتھے شعر میں پہلا مصرعہ وزن سے گرتا ہے ایسی یا تو لفظ "بینی" سے پہلے کوئی موزوں اور متعلقہ ؟ . یا پھر "بینی چشم" کے بعد حرف "و" کے بجائے لفظ "تو" آنا چاہیئے۔ ہمارے خیال میں یہ کتابت کی لغزش ہو سکتی ہے یا پھر مخطوطہ شناسی کا فرق ہو سکتا ہے۔ نیز "تارسر" اور "مارسر" کشمیر کی دو بلند ترین (سطح کے لحاظ سے) جھیلوں کے نام ہیں۔

۷۵۔ ماخوذ از تذکرہ روشن ص ۱۳۶ بحوالہ راشدی

۷۶۔ ماخوذ از کشیر ص ۴۷۴ ج دوم نوٹ شعر کے پہلے مصرعہ میں لفظ "شدنت" وزن و موزونیت کے لحاظ سے مناسب معلوم نہیں ہوتا ہے۔

۷۷۔ ماخوذ از بیاض بندہ علی باسط بحوالہ راشدی ص ۱۷۶ ج اول

۷۸۔ تذکرہ شعرای کشمیر از راشدی ص ۱۷ ج اول

نوٹ :- توفیق کے رنگ میں غالبؔ کی یہ فارسی غزل کسقدر مماثل نظر آتی ہے جس کے مطلع کے یہ دو شعر ملاحظہ ہوں ؎

بیا و جوشش تمنای دیدنم بنگر — چو اشک از سر مژگان چکیدنم بنگر
از من بجرم تپیدن کنارہ یکسر دی — بیا بخاک من و آرمیدنم بنگر

ملا توفیق کشمیری اور اسداللہ خان غالب دہلوی دونوں ہم عصر شاعر ہیں اور یہ بات ابھی تک تحقیق کی رو سے واضح نہیں ہو سکی ہے کہ اس انداز فکر اور بیان میں کس نے کس کی پیروی کی ہے۔

۷۹۔ ماخوذ از تحقیقات امیری از امیر الدین پکھلیوالا ص ۲۶۸ ب

۸۰۔ " مافیہ "

۸۱۔ ماخوذ مجموع التواریخ (تاریخ کشمیر) از بیربل کاچرو ص ۴۴۴

۸۲۔ الیضاً

۸۳۔ اس شعر میں لفظ "حبابم" موزون معلوم نہیں پڑتا۔

۸۴۔ لفظ "می مالیدم" وزن کے لحاظ سے ناموزون دکھائی دیتا ہے۔

۸۵۔ توفیق کی یہ پوری غزل حافظ کے طرز تکرا اور انداز بیان سے ملتی جلتی ہے حافظ کی اس غزل کا مطلع یوں ہے۔ دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند وندران ظلمت شب آب حیاتم دادند توفیق کا زیادہ تر غزلیہ کلام حافظ کے رنگ میں ملتا ہے۔ مثلاً دوسری غزل کے اشعار متذکرہ بالا درجہ ثانی اشعار کے رنگ میں ملاحظہ ہوں:۔

خیز تا از در میخانہ کشادی طلبیم ، برہ دوست نشینیم و مرادی طلبیم
لذت داغ غمت بر دل ما باد حرام ، اگر از جور غم عشق تو دادی طلبیم
ما درس سحر در رہ میخانہ نہادیم ، محصول دعا در رہ جانانہ نہادیم

یا

در خرمن صد زاہد عاقل زند آتش ، این داغ کہ ما بر دل دیوانہ نہادیم

۸۶۔ مجموع التواریخ (تاریخ کشمیر) از بیربل کاچرو ص $\frac{۲۹۴}{۳۱۲}$ ب

۸۷۔ یہاں پر "ہوش بردر" کے بجائے ہوش برداشت" ہوتا تو وزن و موزونیت کے لحاظ سے نہایت مناسب رہتا۔

تذکرہ جات
و
کتابیات

۱۔ سید امیر کبیر — سعیدہ اشرف

۲۔ اسلامک کلچر ان کشمیر — صوفی محی الدین

۳۔ تاریخ حسن ج دوم — حسن شاہ کھویہامی

۴۔ چچ نامہ (انگریزی ترجمہ) — علی بن حامد کوفی

۵۔ واقعات (تاریخ کشمیر) — محمد اعظم

۶۔ صوفی ازم ان کشمیر — عبدالقیوم رفیقی

۷۔ تذکرہ شعرای کشمیر — حسام الدین راشدی

۸۔ سفینۃ الاولیا — بحوالہ راشدی

۹۔ خزینۃ الصفیا — ایضاً

۱۰۔ گنج عرفان (ص ۱۲۶) — شمس الدین احمد

۱۱۔	رسالہ دہ قاعدہ	سید امیر کبیر میر سید علی
۱۲۔	سفینۂ ہندی	بھگوان داس
۱۳۔	صبح گلشن	سید علی خان
۱۴۔	تذکرہ شعرای کشمیر	محمد اصلح مرزا
۱۵۔	تذکرہ روز روشن	مولوی مظفر حسین
۱۶۔	نصاب واصل	محمد واصل
۱۷۔	مجموع التواریخ	بیربل کاچرو
۱۸۔	تحقیقات امیری	امیر الدین پکھلی والا
۱۹۔	ریاض الاسلام	عبدالوہاب
۲۰۔	پارسی سرایان کشمیر	گرداری لعل ٹیکو
۲۱۔	تذکرہ حسینی از میر حسن دولت سنبلی	بحوالہ راشدی
۲۲۔	مجمع النفائس	سراج الدین علی خان
۲۳۔	عقد ثریا	غلام ہمدانی مصحفی
۲۴۔	صحف ابراہیم	ابراہیم علی خان
۲۵۔	بیاض خطی	بندہ علی باسط
۲۶۔	گلستان مسرت	عبدالرحمان شاکر
۲۷۔	احوال ملک کشمیر	محمد توفیق
۲۸۔	شمع انجمن	محمد صدیق خان
۲۹۔	کشمیر کے فارسی ادب کی تاریخ	عبدالقادر سروری
۳۰۔	مجلہ "دانش"	(شعبہ فارسی)
۳۱۔	بازیافت	(شعبہ اردو)

۳۲۔	نقد ادبی	زرین کوب
۳۳۔	تاجیکی فارسی ادب	کبیر احمد جائسی
۳۴۔	شعر العجم	شبلی نعمانی
۳۵۔	ایران صدیوں کے آئینے میں	امرت لال عشرت
۳۶۔	انڈو ایرانیکا	خانہ فرہنگ ایران
۳۷۔	"دانش"	اسلام آباد
۳۸۔	ادب کا مطالعہ	اطہر پرویز
۳۹۔	تحقیق و تنقید کے مسائل	اسلوب احمد
۴۰۔	ادبی تحقیق، مسائل اور تجزیہ	رشید حسن خان
۴۱۔	مجلہ وحید، مجلہ یغما	ایران

کچھ مصنف کے بارے میں

نام ـــــــ محمد منوّر مسعودی

تخلص ـــــــ منوّر

قلمی نام ـــــــ م، م، مسعودی

پیدائش ـــــــ یکم نومبر ۱۹۵۱ء

تحصیلات ـــــــ بی اے آنرز پرشین، ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی، ادیب کامل، ڈپلومہ جدید فارسی از خانہ فرہنگ ایران

شغل ـــــــ درس و تدریس

پتہ ـــــــ مقام ترہگام، ضلع کپواڑہ

مصنف کی دوسری کتابیں

- فارسی ادب کی تاریخ
- رینچن سے رنجیت تک ـــ (تاریخ کشمیر)
- نثر جدید فارسی
- فرہنگ شناسی فارسی در کشمیر
- ریشہ ہائی فارسی در سراسر جہان (تاریخ روزنامہ ہا و مجلہ ہای فارسی)

●